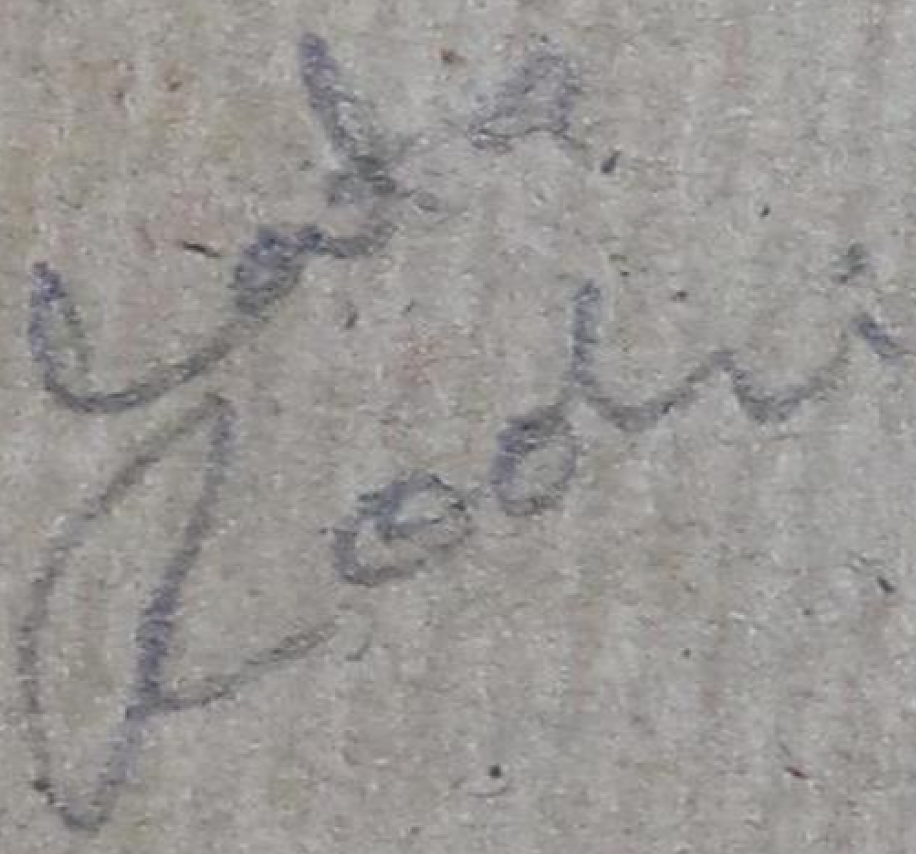


ایک کہانی

پانچ فراڈ

رائے زادہ

قیمت ڈیڑھ روپیہ

تعداد گیارہ سو

پرنٹرز۔ جید برقی پریس بلیماران دہلی۔
پبلشرز۔ نور جہاں پبلیکیشنز دہلی۔

اُس مصنوعی داڑھی کے نام

جسے میں ایک مدّت تک غیر مصنوعی سمجھتا رہا

رائے زادہ

نوٹ

زیرِ نظر کتابچہ کے تمام کردار فرضی ہیں کسی زندہ یا مردہ کردار سے ان کا تطابق محض اتفاقیہ ہے جس کے لئے مصنف، پبلشر اور پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔!

عکسؔ و آئینہ

ایک کہانی

پانچ فراڈ

نور جہاں پبلیکیشنز لال کنواں دہلی۔

کہانی سے پہلے

دیباچہ ہو یا تمہید، تعارف ہو یا پیش لفظ، غرضیکہ اپنی تصنیف کے متعلق مصنّف کو جو کچھ بھی لکھنا ہو وہ خود لکھے۔ میرے خیال میں ایک مصنف اپنی تصنیف کے ساتھ جو انصاف کر سکتا ہے وہ کوئی دوسرا دیباچہ نگار یا تقریظ نویس نہیں کر سکتا۔ یہ میری اپنی رائے ہے اور ہو سکتا ہے میری اس رائے پر کچھ عوامی دیباچہ نگار، تقریظ نویس اور نقاد حضرات ناک بھوں چڑھائیں۔ لیکن ان کے ناک بھوں چڑھانے سے میں اپنی رائے نہیں بدل سکتا کیونکہ میں اپنی رائے کے ہر ٹھوس پہلو اور ان کی انفرادیت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں اپنی رائے کے وزن سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اور میں اس آگہی کی روشنی میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ زیر نظر تصنیف "ایک کہانی پانچ فراڈ" کے مصنّف رائے زادہ کے ساتھ میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کروں گا۔ کیونکہ کوئی بھی ذی ہوش یا صاحب ادراک اپنی ذات کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا۔ رائے زادہ کو میں اتنا ہی سمجھتا ہوں جتنا کہ اپنے آپ کو۔ جس طرح میں اپنے تخیّل کو صفحۂ قرطاس پر اجاگر کر سکتا ہوں اسی طرح میں رائے زادہ کے تصورات اور تخیلات کو اپنے زد قلم سے بیان کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ سعادت حسن منٹو نے افسانہ نگار منٹو کا خاکہ لکھتے ہوئے

کہا ہے کہ "منٹو میرا بہت ہی گہرا دوست ہے۔ ہم دونوں ایک ہی ساتھ اور ایک ہی مقام پر پیدا ہوئے اور ایک ہی ساتھ مریں گے۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگ سعادت حسن منٹو کو اس کی موت کے بعد بھول جائیں مگر افسانہ نگار منٹو مرنے کے بعد بھی زندہ رہے گا۔ اسے لوگ نہیں بھول سکیں گے"۔ سعادت حسن منٹو کے اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے میں ذرا سی ترمیم کے ساتھ یہ دعویٰ کروں گا کہ وشوا ناتھ درد یعنی راقم الحروف اور رائے زادہ ایک ساتھ جیئیں گے اور ایک ساتھ مریں گے لیکن مرنے کے بعد ان دونوں کی یاد برابر زندہ رہے گی۔

جیسا کہ دور حاضرہ کے بڑے بڑے دانشور کہتے ہیں کہ "آج کا ادب محض تصوراتی اور تخیلاتی ادب نہیں بلکہ آج کا ادب تو سو فیصدی زندگی کا ادب ہے"۔ دانشوروں کے اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے رائے زادہ نے آج کی زندگی اور آج کے زندہ ادب کو پکڑنے اور سمجھنے کی جو کوشش کی ہے وہ اپنی جگہ ہر لحاظ سے کامیاب اور کامراں ہے۔ رائے زادہ نے جس انداز اور جس زاویئے سے آج کل کے خود ساختہ تہذیب یافتہ لوگوں کی ترقی پذیر سوسائٹی کا پوسٹ مارٹم کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ اور میں یہ لکھنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ رائے زادہ نے جس توازن اور ٹھہراؤ سے اپنی زیر نظر تصنیف "ایک کہانی پانچ فراڈ" کے چلتے پھرتے کرداروں کا مطالعہ کیا ہے وہ کافی بھرپور، بے داغ اور وزنی ہے۔

رائے زادہ کی زیر نظر تصنیف "ایک کہانی پانچ فراڈ اس کے تخیّل کی ایک ایسی اچھوتی تخلیق ہے جسے صاحبِ نظر قاری محض ایک تخیلی ہیولا سمجھ کر فراموش یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ میں پورے اعتماد سے اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں کہ رائے زادہ نے زیر نظر

کتابچہ کی زندگی کے لئے فکر وفن اور مشاہدہ کے زور سے جن کرداروں کو تراشا ہے ان کردارو پر زندہ کرداروں کا شبہہ ہی نہیں بلکہ یقین سا ہونے لگتا ہے ۔ اور پڑھنے والا ان کردارو سے متعارف ہو کر یہ سوچنے لگتا ہے جیسے وہ ان کرداروں سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہے ۔ اور ان کرداروں سے مل کر پہلے پہل جو رائے اس نے ان کے متعلق مرتب کی تھی وہی رائے اور وہی تاثر رائے زادہ نے اس کے ذہن سے چرا کر سینۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک کامیاب فن کار کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ وہ پڑھنے والے کو ایسا سوچنے پر مجبور کر دے کہ فن کار اسی کی سوچی ہوئی بات کہہ رہا ہے قاری اور مصنّف کی یہ ہم آہنگی زندہ فن کی نشان دہی کر سکتی ہے ۔ اور میں برملا یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ رائے زادہ کا فن اس کسوٹی پر سو فیصدی پورا اترے گا ۔

مصنف نے " ایک کہانی پانچ فراڈ " کے پانچوں کرداروں کو ایک زنجیر کی پانچ کڑیوں میں جس طرح منسلک کیا ہے اور جس انداز سے ان کی ترتیب میں اپنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مصنّف اپنے کرداروں کے نظریۂ حیات کو بڑی سنجیدگی اور دور رس نگاہوں سے دیکھ کر جو نتائج برآمد کرے گا اس میں مصنف کے پختہ شعور کی چھاپ بڑی واضح اور نمایاں ہو گی ۔ اور ایک باشعور قاری کے لئے یہ دماغی دلچسپی کتابچہ کے شروع سے لے کر آخر تک اپنے پورے طمطراق سے قائم رہتی ہے ۔

زبان کے رکھ رکھاؤ اور محاورہ بندی میں رائے زادہ نے جس پختہ کاری سے کام لیا ہے اس سے اس کے بدترین قسم کے دشمن بھی انکار نہ کر سکیں گے ۔ استعاروں کی اشاریت اس قدر واضح اور غیر مبہم ہے کہ پڑھنے والا مصنف کے مقصد کو فوراً سمجھ

جاتا ہے۔ محاوروں کے اُلٹ پھیر سے کہیں کہیں طنز اور مزاح اس طرح گلے ملتے ہیں، کہ پڑھنے والے کا احساس تک جھنجھنا اُٹھتا ہے۔ اور اس کا دل مزاح کی چاشنی میں ڈوبنے لگتا ہے۔

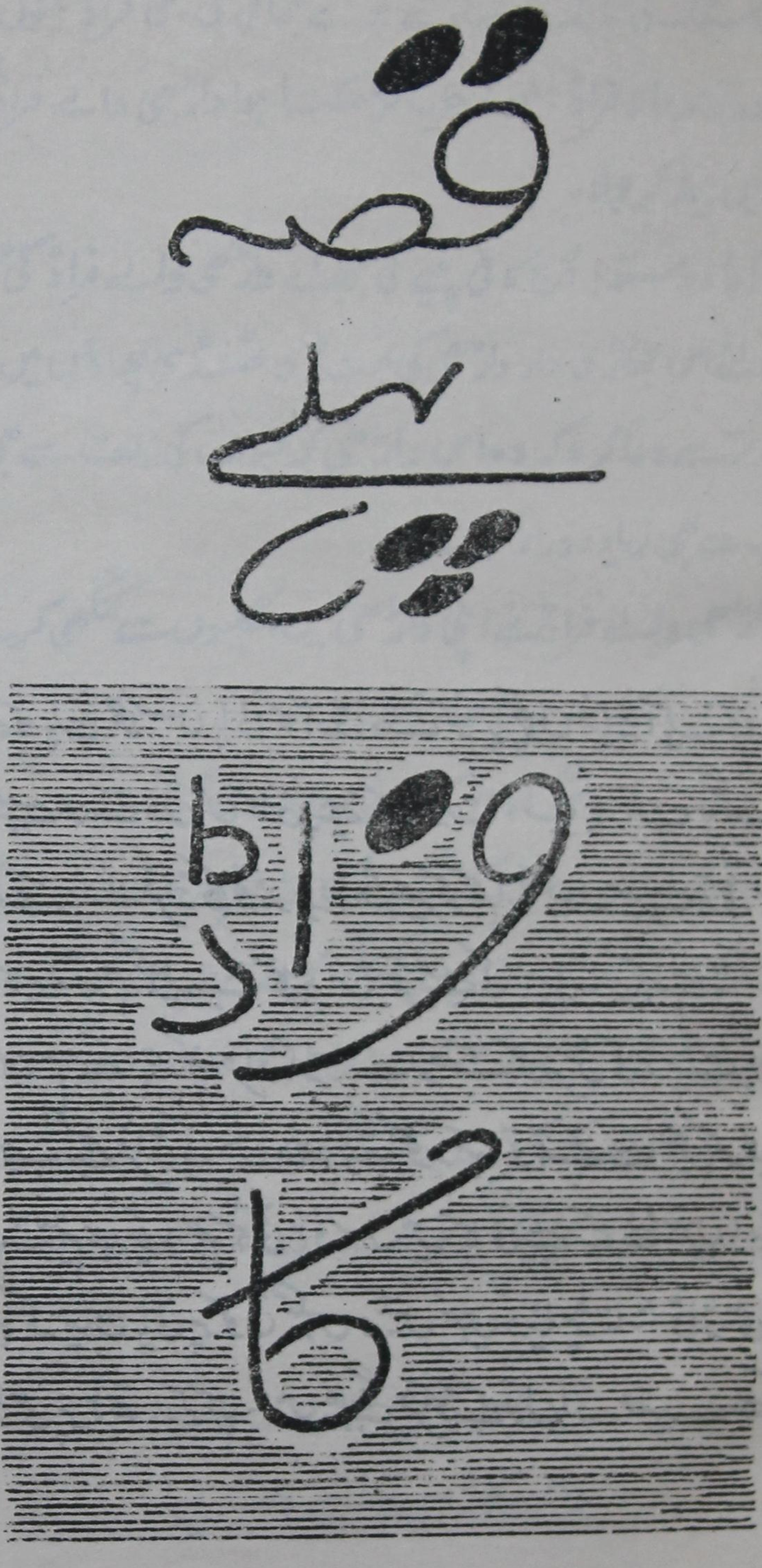
رائے زادہ کا طرز تحریر اور انداز بیان بڑا پیارا اور دلکش ہے۔ اس کی تحریر میں بلا کی شگفتگی اور بہاؤ ہے۔ میں رائے زادہ کے اچھوتے اسلوب اور اس کے فنّی شعور کے بل بوتے پر ابھی بہت کچھ اور لکھ سکتا ہوں۔ مگر ہائے رے۔ اس تنگیٔ داماں کا کروں کیا۔ جو میرے قلم کو قدم قدم پر روک رہی ہے!

آپ زیر نظر کتابچہ کا مطالعہ اپنے پورے خلوص سے کریں اور پھر رائے زادہ کو اس پیش لفظ کی روشنی میں دیکھیں اور سوچیں کہ میں کہاں تک حق بجانب ہوں اور رائے زادہ کہاں تک قابل قدر اور باشعور فن کار ہے۔

وشوا ناتھ درد

۲۲/۲۳ آریہ سماج روڈ

۶۵/۵ نئی دہلی ۵



بیرے کو پانچ گلاس پانی کا آرڈر دے کر پانچوں فراڈ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جیسے ان کے دل میں کافی پینے کا بھوت آپ ہی آپ جاگ اُٹھا ہو لنگڑے فراڈ نے توند والے فراڈ کی توند پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "کیوں میرے ترقی پسند ساتھیو کیا کافی وافی کا پروگرام نہیں بنے گا؟ آج تو مہینے کی پہلی تاریخ ہے!"

کافی کا نام سنتے ہی گنجا فراڈ کرسی سے لڑھک کر فرش کی زینت بن گیا۔

بھینگے فراڈ نے جب گنجے فراڈ کی اس دُور دِشا کو دیکھا تو آپے سے نکل کر بولا۔ "اے میرے ترقی پسند یتیم بھائیو! ہم کافی ہاؤس میں کافی پینے کے لئے نہیں، پانی پینے کے لئے آئے۔ کیونکہ یہاں پانی پر کوئی ٹیکس ویکس نہیں دینا پڑتا!" ڈاڑھی والے فراڈ نے اپنی لمبی داڑھی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں بھینگے فراڈ کے قول اور عقیدے سے مکمّل اتفاق رکھتا ہوں!"

ڈاڑھی والے فراڈ کا جملہ ابھی اس کے گلے میں ہی اٹکا ہوا تھا کہ لنگڑے فراڈ نے اپنی پلاسٹک کی ٹانگ کو پسارتے ہوئے جمائی لی۔ گئی فراڈ تینوں شانے چت ہو گئے۔ اور توند والا فراڈ بیلن کی طرح لڑھکتا ہوا داڑھی والے فراڈ کی گھنی داڑھی کے سائے میں بیٹھ کر بولا۔

"آؤ دوستو! آج کافی پینے کی بجائے داڑھی والے فراڈ کی گرما گرم داستان سننے کے لئے اس جھاڑی دار داڑھی کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھو۔ اور خدائے برتر سے دعا کرو کہ وہ اس داڑھی کو محبوب کی زلف سے بھی طویل، اور ہجر کی شب سے بھی زیادہ دراز کرے"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے بڑے جوش میں آکر یہ مصرعہ پڑھا۔ ؏

"اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی"

"مرحبا مرحبا" کے فلک شگاف نعروں سے فضا میں شگاف ہو گئے اور کافی ہاؤس کی پختہ چھت یوں ٹپکنے لگی جیسے نیم عریاں گگو کے رومان پرور ڈانس دیکھ کر اسٹوڈیو میں لائٹ گھمانے والے کے منہ سے رال ٹپکتی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ سب فراڈوں کے کپڑے بھیگ گئے۔ داڑھی والے فراڈ کا دامن بھی تر بہ تر ہو گیا۔ وہ دامن نچوڑتے ہوئے اپنے شیخ صورت فراڈوں کو گھورتے ہوئے بولا ؎

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سب فراڈوں نے وضو کرنا شروع کر دیا۔ لیکن بھینگا فراڈ اپنی جگہ پر بالکل ساکن و جامد بیٹھا رہا۔ وہ بولا۔ "میرے تر بتر بھائیو! مجھے تر چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ میں ڈرائی کلین کا قائل ہوں۔ وضو کرنا تو درکنار، میں تو غسل کرنا بھی اصولی کفر سمجھتا ہوں۔ اور....."

داڑھی والے فراڈ نے اپنی کھچڑی مارکہ داڑھی سے سب فراڈوں کے منہ پونچھتے ہوئے کہا: "میرے تر دامن بھائیو! میں ایک شاعر فراڈ ہوں۔ شاعر اس لئے ہوں کہ شعر گڑھتا ہوں۔ شعر کہنے والوں سے ملتا ہوں اور شعر چُراتا ہوں۔ فراڈ اس لئے ہوں کہ میری داڑھی فراڈوں والی ہے۔ میں قہر فراڈ بر جانِ فراڈ کے مصداق آل انڈیا شاعروں اور مصنّفوں کے بائیکاٹ کے باوجود لوکاٹ کھا کھا کر جی رہا ہوں۔"

یہ سُن کر گنجے فراڈ نے جیب سے ریوڑی نکال کر ٹافی کی مانند چباتے ہوئے کہا۔ "میرے شاعر نصیب دوست! بہتر ہے کہ تو مختصر طور پر اپنی داستان بیان کرے۔ تاکہ ہم مفصّل طور پر تم سے اظہارِ ہمدردی کر سکیں۔"

شاعر فراڈ نے اپنی جٹاؤں کو جھٹکا دیتے ہوئے کہنا شروع کیا: "میرے پاک دامن دوستو! میری صورت دیکھ کر مجھے "گورو دیو" نہ سمجھو۔ بھولی بھالی صورت والے ہوتے ہیں جلّاد بھی، کے مصداق میں گورو دیو کا چربہ ہو سکتا ہوں۔ میرے ڈھیلے ڈھالے کپڑے دیکھ کر مجھے باولا نہ سمجھو۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ڈھیلے ڈھالے کپڑوں والا باؤلا ہی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ باؤلے کے کپڑے ڈھیلے ڈھالے ہوتے ہیں۔ میری داڑھی دیکھ کر مجھے خضر نہ سمجھو۔ کیونکہ داڑھی تو بکرے کے بھی

ہوتی ہے۔ بہر کیف یہ یاد رکھو کہ ہر چمکنے والی چیز سونا اور ہر داڑھی والا شخص ٹیگور یا برنارڈشا نہیں ہوسکتا۔"

"ہم اتنے کوتاہ نظر نہیں فراڈ بابا۔" گنجے فراڈ نے چٹکی لیتے ہوئے کہا داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کو اپنی داستان کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"میرے خوش دامن فراڈو! میں دنیا کا سب سے بڑا فراڈ اور ہندوستان کا سب سے بڑا کلاکار ہوں۔ مگر لطف کی بات تو یہ ہے کہ نہ تو کامل فراڈ ہی بن سکا ہوں اور نہ ہی کلاکار بن کر اس قدر کمایا ہے کہ قینچی کے صابن سے داڑھی صاف کر سکوں۔ یا بلی کی پالش سے چرائے ہوئے براؤن جوتوں پر کالی پالش لگا سکوں:

"یہ میری بدقسمتی ہے اور غالباً میں بدقسمتی لے کر ہی پیدا ہوا ہوں۔ شاید یہ میرے پورو جنم (گذشتہ جنم کے مطابق آواگون) کے کرموں کا پھل ہے کہ مجھے پیدائش سے پہلے ہی آٹھ ماہ جیل میں بند رہنا پڑا۔ اور اپنے حُسنِ سلوک سے بیگم پارہ کی طرح ایک ماہ پہلے ہی مجھے تاریک ترین کوٹھری سے نکال دیا گیا آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ میں پیدائشی داڑھی والا ہوں۔ میں نے اپنی پیدائش کے پچیس برس تک داڑھی نہیں منڈوائی لیکن قدرت نے میری شادی کر کے میری حجامت ہی کر دی۔ سر منڈوانے سے پہلے ہی اتوار پوچھ لیا گیا۔ بیوی کیا ملی آفت کا پرکالہ۔ داڑھی کی دشمن۔ وہ کم بخت میری داڑھی سے جس قدر نفرت کرتی تھی میرے دوستوں کی مونچھوں سے اسی قدر پیار۔ اسے میری جٹاؤں سے نفرت تھی۔ اور میرے ملنے والوں کی لٹوں سے محبّت۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ

میری بیوی مجھ شاعر صورت سے کھنچی کھنچی سی رہنے لگی اور میرے شاعر سیرت دوستوں سے کھنچی کھنچی۔ گھر کی خانہ جنگی نے مجھے دیش دیش گھومنے پر مجبور کر دیا۔ میں دل کی شانتی تلاش کرنے کے لئے درویش نما فراڈ بن کر گھر سے نکل پڑا۔ میری بیوی نے مجھے عاشق کے جنازے کی طرح خوب سج دھج اور دھوم دھام سے نکالا۔

میں کلاکار بن گیا۔ اور اتفاق سے بیوی کا نام بھی کلا تھا۔ میں دیش دیش پھر کر کلا بیچنے لگا۔ ایک دیش کی کلا دوسرے دیش میں، اور دوسرے کی تیسرے دیش میں فروخت کرنے سے میں بہت بڑا کلاکار بن گیا۔ اپنی داڑھی سے بھی بڑا۔ لیکن اتنے پاپڑ بیلنے پر بھی پیٹ کا تنور ٹھنڈا نہ ہوا اور میں پاپڑ بیلتا چلا گیا۔

ایک دن تو کمال ہی ہو گیا۔ غالباً یہ بمبئی کی بات ہے میں اپنی کلا کو کسی پرڈیوسر کے پاس بیچنے کی فکر میں تھا۔ دو تین دن تک برابر زگار خانوں، مے خانوں، قہوہ خانوں اور تہ خانوں کا طواف کرنے پر بھی میں اپنی کلا فروخت نہ کر سکا۔ حالت یہ ہو گئی کہ جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ رہی۔ کہ اتفاقاً ایک شاعر سے ملاقات ہو گئی۔ جب میں نے اپنا نام اُسے بتایا تو وہ چونک کر میری کلا کی تعریف کے پُل باندھنے لگا۔ کہنے لگا مجھے تمہاری کلا بہت پسند ہے۔ مجھے تمہاری کلا سے بے حد محبت ہے اور...... میں نے لپک کر کہا! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں میری کلا پسند ہے۔ اس پسند کے صدقے تم مجھے ایک کپ چائے پلا دو۔

اس پر وہ شاعر داد طلب انداز میں ہنس کر بولا۔ اگر تمہاری کلا تمہارے ساتھ ہوتی تو میں تمہیں چائے کی بجائے بیئر پلاتا۔

میں نے اس بیوقوف کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ رات پڑ رہی تھی پیٹ میں کتے بھونک رہے تھے۔ اور چوہے کتھا کلی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں ایک حسین طوائف کے بالا خانے پر پہنچ گیا۔ سو فیصدی درویشانہ انداز سے اُسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔ ” دیوی کلیان ہو۔ اے کلوپیٹرا تم خوبصورتی کی وہ ملکہ ہو جسے اِندر کے دربار میں سب سے پہلے محبت کے دیوتا نے اپنی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تھا میں تمہاری تلاش میں تھا۔ بیٹی آج میں تمہیں یہ بردان دیتا ہوں کہ اس کوٹھے سے کوئی بھی نامُراد واپس نہیں جائے گا۔۔۔ کوئی بھی ۔۔۔۔“

یہ سُن کر اس نے میرے گرد آلود پیر پکڑ لئے۔ اور اس رات کی تمام کمائی میرے قدموں پر ڈال دی۔ اس کی حق حلال کی کمائی سے میرے کئی دن مزے سے گذر گئے۔ اسی اثنا میں ایک اور شاعر درویش سے ملاقات ہو گئی۔ ایک مشاعرے میں ہم دونوں کو مدعو کیا گیا۔ وہاں سگریٹ اور رس گلوں سے ہماری جی کھول کر تواضع کی گئی۔ سگریٹ اور رس گلے بڑی بے دردی سے لُوٹے اور لُٹائے گئے جب مشاعرہ ختم ہونے کے بعد ہم پنڈال سے باہر نکلے تو میں نے اپنے ساتھی شاعر درویش سے کہا۔ ” میرے دوست ! میں نے دو دن کے کھانے کا انتظام کر لیا ہے ستائیس رس گلے مشاعرے سے چُرا کر لے آیا ہوں :“

” کہاں ہیں ؟ “ میرے ساتھی نے رس بھری نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

” تھیلے میں :“ یہ کہہ کر میں نے تھیلا آگے کر دیا۔

” ستیاناس :“ وہ غصے میں چیخا۔ ” ارے بدبخت تو نے میرے سارے سگریٹ

تباہ کر دیئے ہوں گے۔ میں نے پورے چوّن سگریٹ چُرا کر اسی تھیلے میں ٹھونسے تھے۔"

سب فراڈوں نے اپنی اپنی بیڑیاں نکال کر گرم گرم آہوں سے سُلگانی شروع کر دیں۔ داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کے جال سے ایک مکھّی کو چھٹکارا دلا کر کہنا شروع کیا۔

"میرے اُٹھائی گیرِ بھائیو! اپنی کلا کو میں نے بیچنا چاہا مگر بِک نہ سکی۔ اور اپنی کلا (جو مجھے بناتی تھی) کو اپنانا چاہا لیکن ٹِک نہ سکی۔ آخر تھک ہار کر میں نے ایک محبوبہ کی آڑ لی۔ اسے دیکھ دیکھ کر میں جینے لگا۔ اور وہ مجھ پر مرنے لگی۔ وہ گھنٹوں میری داڑھی کے بال گِنتی رہتی۔ اور میں اس کے دل کی دھڑکنیں شمار کرتا رہتا۔

ایک دن میں نے اپنی کلا سے نفرت کی وجہ پوچھی تو وہ بولی "مجھے تمہاری اس داڑھی سے بہت ڈر لگتا ہے۔" میں نے فوراً ہی درزی کی دکان پر جا کر داڑھی کٹوا لی۔ اور جب داڑھی کٹوا کر میں گھر واپس پہنچا تو داڑھی کی مانند کلا بھی غائب تھی۔ کلا سے نا اُمید ہو کر میں نے محبوبہ کے گھر کی راہ لی۔ اس نے میرے رُخِ شفاف کو دیکھتے ہی کہا۔

"کہیے صاحب آپ کون ہیں اور کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

میں نے اسے ہزار سمجھایا کہ میں داڑھی والا کلاکار ہوں، میں تمہارا یارِ غار ہوں۔ میں وہ ہوں جس کی داڑھی کے بال تم گِن گِن کرتی تھیں۔ میں وہ ہوں جو تمہیں دیش دیش کے گیت سُنایا کرتا تھا۔ میں وہ ہوں....."

"چُپ بدمعاش۔" وہ میرے منہ پہ تھپّڑ جما کر چمکی "تم وہ نہیں ہو۔ نِکل جاؤ یہاں سے۔ اگر تم وہی ہو تو وہی داڑھی لے کر آؤ جس کا ایک ایک بال میں نے گِن رکھا ہے۔ مجھے تم سے نہیں تمہاری داڑھی سے محبّت ہے۔"

میں وہاں سے دم دبا کر بھاگا۔ گھر پہنچا تو بیوی موجود۔ اس نے پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ پیار بھرے انداز سے اس نے میرے رُخ شفاف کی تعریف کی۔ اور پھر اس نے مجھے میٹھی میٹھی لوریاں دے کر اپنی گود میں سُلا دیا۔ نہ جانے اس جادوگرنی نے کیا جادو پھیرا کہ رات رات میں میری داڑھی پھر اُگ آئی اور میں صبح اُٹھتے ہی اپنی محبوبہ کے گھر کی جانب دوڑا۔ وہ کھڑکی کی طرف منہ کئے کھڑی تھی میں نے جاتے ہی اُسے شانوں سے پکڑ لیا اور کہا۔

"لو میری جان۔ اب میں داڑھی لے کے آیا ہوں۔" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرے پاؤں تلے کی زمین سرک گئی۔ یہ تو میری کلا تھی۔ ڈانٹ کر بولی۔

"ارے مردود۔ تم تو کہتے تھے کہ صرف مجھی کو چاہتے ہو آج تمہارا پول کھُل گیا۔ کیا تم جانتے نہیں کہ مجھے تمہاری داڑھی سے سخت نفرت ہے۔"

میں ایک بار پھر وہاں سے داڑھی دبا کر بھاگا۔ اور بھاگتا ہی چلا گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں کافی عرصہ تک میں داڑھی کی آڑ میں شکار کھیلتا رہا۔ رات بھر بیوی کے پاس بغیر داڑھی کے رہتا اور دن بھر محبوبہ کے پاس داڑھی کے ساتھ ــــ!"

لنگڑے فراڈ نے اپنی لنگڑی ٹانگ کو کھُجلاتے ہوئے کہا "لیکن مہاشے! یہ رات رات بھر میں آپ کی داڑھی پھر کیسے پیدا ہو جاتی تھی؟"

داڑھی والے فراڈ نے ایک ہی جھٹکے سے اپنی داڑھی کو اپنے چہرے سے

اُکھاڑتے ہوئے جواب دیا۔" میرے چاک دامن بھائیو! میری داڑھی مصنوعی ہے یہ میں فرانس سے لایا تھا۔ آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ تین ماہ متواتر ولیم شیکسپیئر نے بھی یہی داڑھی استعمال کی تھی۔ کیونکہ ایک بار میں یہ اُن کے ہاں بھول آیا تھا۔"

" لیکن آپ وہاں کیوں گئے تھے؟" بھینگے فراڈ نے اپنی ٹیڑھی آنکھ کو قدرے دبا کر پوچھا۔

داڑھی والے فراڈ نے داڑھی سے چہرہ صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔" میں سب بڑے بڑے شاعروں، ادیبوں اور مصنّفوں کا دوست ہوں۔ اور اُن کی کلا چُرانے کے لئے ان کے ہاں آیا جایا کرتا ہوں۔ لیکن میری کلا....."

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی کلائی تھام کر کہا۔" میرے دوست تم اپنی کلا کو بھول جاؤ۔ کیونکہ تمہاری کلا تمہاری اپنی نہیں۔ اس بات کا میری طرح تمہیں خود بھی احساس ہے اور پھر تم تو ایک ذہین اور مستند فراڈ ہو۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اپنی کلا کا خیال چھوڑ دو۔"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی میں اپنے آنسو جذب کرنے شروع کر دیئے جس سے سب فراڈوں کو پسینہ آ گیا۔

توند والے فراڈ نے اپنی نم آلود نگاہوں سے لنگڑے فراڈ کی جانب دیکھا۔ جو گنجے فراڈ کی چمکیلی چاند پر ٹپ ٹپ آنسو گرا رہا تھا۔ اور بولا۔" بھائیو! داڑھی والے فراڈ کی طویل مختصر داستانِ حیات تو آپ سب نے کان کھول کر سُن لیا۔ اب ذرا کافی ہاؤس کے اِن ناخلف بیرا لوگوں کی سعادت مندی پر بھی دو دو آنسو بہا لو۔ دیکھو نا۔ ابھی تو ہم لوگوں نے صرف پانی کا ہی آرڈر دیا تھا تو

یہ حالت ہے۔ اگر کہیں غلطی سے کافی کا آرڈر بھی دے دیا ہوتا تو پھر...."

گنجے فراڈ نے اپنی چاند سے لنگڑے فراڈ کے گرم گرم آنسو رومال میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے توند والے فراڈ کے بیان سے پورا پورا اتفاق ہے اور میں امید کرتا ہوں اپنے سب فراڈ بھائیوں سے کہ وہ بیرے کی اس ناقابلِ برداشت گستاخی کے خلاف پُر زور احتجاج کرتے ہوئے کافی ہاؤس سے واک آؤٹ کریں گے۔"

لنگڑا فراڈ جو ابھی تک خاموشی سے توند والے اور گنجے فراڈ کے تاثرات میں ہمہ تن محو تھا، کرسی سے دو فٹ اوپر اُچھل کر فرش پر جا پڑا۔ اور ٹھنڈے ٹھنڈے فرش پر ڈنڈ پیلنے میں مشغول ہو گیا۔

داڑھی والے فراڈ نے حالات کو قابو سے باہر ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی داڑھی کو میز پر پٹک کر گرجا۔ "میرے پیارے، پیارے فراڈ بھائیو۔ یہ کافی ہاؤس ہے (یہاں دل کا لگانا کس کو آتا ہے) اکھاڑہ نہیں۔ یہاں غریب بیرے کی ذرا سی گستاخی پر اس طرح لال پیلا ہونا ہرگز ہرگز مناسب نہیں۔ ذرا عقل سے کام لو اور سوچو یہاں کون سی ہماری ماں بیٹھی ہے جو ہماری ناز برداری کرے گی۔ عزت اسی میں ہے کہ اب کافی ہاؤس سے چپ چاپ نکل بھاگو۔"

توند والے فراڈ نے اپنی فٹ بال نما توند کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "درویش بابا ٹھیک کہتے ہیں۔ اور پھر اب تو کافی ہاؤس کا بڑا دروازہ بھی بند ہونے والا ہے۔ اب اُٹھو اور کافی کی جگہ ڈھیل بابا کی بصیرت افروز داستان کے چٹخارے لیتے ہوئے اپنی اپنی راہ لو۔ نہیں تو دھکّے مار مار کر نکلوا دیئے جاؤ گے۔"

تو ندوالے فراڈ کی تجویز پر عمل درآمد کرتے ہوئے پانچوں فراڈ آئندہ
کی ملاقات کا پروگرام بنا کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

قصہ دوسرے



سبق
دوسرا

گذشتہ ملاقات کے بعد آج پھر وہ پانچوں فراڈ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ آج ان کی دوسری کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ لنگڑے فراڈ کی قیادت میں ترقی پسند فراڈوں کا یہ پانچ ہزاری قافلہ آج کافی ہاؤس کی بجائے "کیفے ثریا" پر یلغار کر رہا تھا۔ کیفے ثریا کے کھلے صحن میں بچھی ہوئی میز کرسیاں جیسے ایک مدّت سے انہی کا انتظار کر رہی تھیں۔ کرسیوں پر آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے بعد توند والے فراڈ نے اپنی غبارہ سی توند کو بڑی شفقت سے سہلایا۔ داڑھی والے فراڈ نے حسب معمول اپنی داڑھی کی نوک پلک کو سنوارا۔ گنجے فراڈ نے اپنی لق دق صحرا جیسی چاند سے پسینہ خشک کرتے ہوئے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ لنگڑے فراڈ نے حسب معمول اپنی لنگڑی ٹانگ کو پچکارا۔ اور بھینگے فراڈ نے اپنی بھینگی آنکھ سے پچھتّر ڈگری کا زاویہ بنا کر اپنے یتیم بھائیوں کو ہمدردانہ نگاہوں سے تاکتے ہوئے

کہا۔

"ساتھیو! یہ "کیفے ٹریا" ہے۔ یہاں "آپ اپنی مدد کرو" کا فارمولا بڑی سختی سے لاگو ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں ہمیں پانی کے لئے بیراجی کی خوشامد نہیں کرنی پڑے گی۔ بلکہ پانی کے لئے ہمیں خود حرکت کرنا پڑے گی ـــ حرکت ـــ حرکت جو ہماری زندگی ہے ـــ حرکت ـــ حرکت جو ہماری زندگی کی بنیاد ہے اور حرکت ....

گنجے فراڈ نے بھینگے فراڈ کی لیکچر بازی کا کچومر نکالتے ہوئے کہا۔

"حرکت حرکت کیا بک رہے ہو۔ حرکت کس چڑی ممولے کا نام ہے ابھی تو تجھے یہ بھی معلوم نہیں۔ ارے اللہ کے بندے! ہم حرکت کے نہیں بلکہ حرکت ہماری محتاج ہے۔"

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے ہاتھ پونچھتے ہوئے گنجے فراڈ کی تقریر کا سر ایک ہی وار سے قلم کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "تم دونوں احمق ہو، گدھے ہو اور اُلو کے چرخے ہو۔ چرخے ... کیوں سائیں بابا کیسی رہی؟ ـــ میں کوئی غلط تو نہیں بک رہا ـــ نا ....." اس نے داڑھی والے فراڈ کی عینک لگی موٹی موٹی آنکھوں میں جھانک کر داد طلب کی۔

سب فراڈوں کو لنگڑے فراڈ کی زہریلی تقریر کا سانپ ڈنک مار گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے خاموشی اُن کے آگے، پیچھے۔ دائیں، بائیں رقص کرتی رہی۔ توندوالے فراڈ نے میز کے چوڑے چکلے سینے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے داڑھی والے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "کیوں استاد۔ پانی وانی ہو جائے؟"

ڈاڑھی والے فراڈ نے اپنی چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھ کر انتہائی رازدارانہ لہجہ میں جواب دیا۔ "تو پھر دیکھتے کیا ہو۔ سوشل سروس کا اس سے اچھا وقت اور کب ملے گا۔ جاؤ اور پانی سے لبالب بھرے ہوئے گلاس لا کر اپنے فراڈ بھائیوں کے سامنے سجا دو۔ تاکہ میز کا خالی دامن تو کچھ نہ کچھ بھر جائے۔ اور اڑوس پڑوس کی میزوں سے جو لوگ ہمیں اپنی بھوکی نگاہوں سے گھور رہے ہیں انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم یہاں کوئی بیکار کی کرسیاں توڑنے نہیں آئے۔ بلکہ کچھ کھانے پینے آئے ہیں۔"

توند والے فراڈ نے اپنی پھولی ہوئی توند کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "جیو سائیں بابا جیو۔ آپ کی دور اندیشی تو آپ کی داڑھی سے بھی زیادہ معتبر نکلی۔"

بھینگے فراڈ نے اپنی ٹیڑھی آنکھ سے توند والے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "مسکہ پالش تو خوب کرتے ہو۔ یہ فن بھی کوئی تم سے ہی سیکھے۔ اس فن میں ظالم تمہارا جواب نہیں۔"

گنجے فراڈ نے اپنی چمکیلی چاند سے مکھی کو اڑاتے ہوئے کہا۔ "خدا تم سب کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ارے بھلے مانسو۔ کبھی کبھار کوئی کام کی بات بھی کر لیا کرو۔ گرمی سے روح تک ہلکان ہوئی جا رہی ہے۔ اور تم ہو کہ شعر و شاعری کی زمین میں اپنی ذہانت کے ہل چلا رہے ہو۔ ظالمو! ٹھنڈے پانی کے پندرہ بیس گلاس لے آؤ۔ نہیں تو غریب فائر بریگیڈ والوں کو خواہ مخواہ کے لئے تکلیف کرنی پڑے گی۔"

بھینگے فراڈ نے گنجے فراڈ کی بات کو لقمہ دیتے ہوئے کہا۔ "دوستو! میں

مونگ پھلی اور بھنے ہوئے چنے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ٹھنڈے پانی کے ساتھ خوب مزا دیں گے۔" لنگڑے فراڈ کے منہ سے ٹپ ٹپ رال ٹپکنے لگی۔

توندوالے فراڈ نے اپنی مہاشائی توند کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ اور پانی لینے چلا گیا۔ بھینگے فراڈ نے اپنی بھینگی آنکھ سے گنجے فراڈ کی ناک کا نشانہ لے کر گولی داغ دی۔ سبھی فراڈ "لمم لیٹ" ہو گئے۔ کیفے ٹریا کی پوری فضا گونج گئی۔ سبھی لوگ اپنی اپنی کرسیوں سے پھسل کر میزوں کے نیچے گھس گئے۔ لنگڑے فراڈ نے سہمے سہمے ماحول کو دیکھ کر اپنے گروپ کی انقلابی فتحمندی کا اعلان کرتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

"ساتھیو۔ آج کا مورچہ یقیناً ہمارے ہاتھ رہے گا۔ اپنی اپنی کرسیوں اور میزوں کے نیچے سے نکل کر دیکھو۔ پوری فضا کو ہمارے قہقہوں نے چھلنی کر دیا ہے۔ تمام ہنگامے زخمی ہو کر تڑپ رہے ہیں۔ اور خوف زدہ لوگ اپنی اپنی سیٹیں چھوڑ کر اس طرح بھاگ رہے ہیں جیسے کوا غلیل دیکھ کر بھاگتا ہے۔ آؤ مالِ غنیم پر ہاتھ صاف کریں!"

لنگڑے فراڈ کی دھواں دھار جوشیلی تقریر کی گرمی سے تمام فراڈ حرارت میں آگئے۔ اور اپنی اپنی کرسیوں کے نیچے سے نکل کر غنیم کے مال پر پل پڑے مالِ مفت دلِ بے رحم کے مصداق ہر فراڈ نے اپنے اپنے توبڑوں میں ضرورت سے زیادہ مال ٹھونس لیا۔

داڑھی والے فراڈ نے دھوتی کی لانگ کو ڈھیلا کرتے ہوئے کہا "میرے یتیم بھائیو! آج کا شاندار پروگرام لنگڑے فراڈ کی فراڈوں بھری کہانی سے

شروع ہونا چاہیئے۔ بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی تائید میں مونگ پھلی اور بھنے ہوئے چنوں کا کاغذی تھیلا میز پر رکھ کر اپنے بھائی بندوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ "اے میرے ترقی پسند دوستو! خدا تمہارے فراڈوں کو ترقی پذیر کرے۔ اور تمہیں تنزّل پسند بنائے۔ یہی میری دلی خواہش ہے۔ ویسے میں تم لوگوں کی ترقی پسندانہ رجعت پسندی کا برسوں سے قائل ہوں بس اب دیکھتے کیا ہو۔ اس حق حلال کی کمائی سے اپنے اپنے منہ رنگ لو۔"

توند والے فراڈ نے اپنی کپّا سی توند کو بہ نظرِ غائر دیکھ کر مونگ پھلی اور چنوں کے کاغذی تھیلے کو گرسنہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "میرا تھیلا تو بہت بری طرح اُٹا ہوا ہے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ جیب ابھی تک خالی ہے۔ ساتھیو دیکھتے کیا ہو! چلو زادِ راہ ہی سہی۔"

توند والے فراڈ کی تجویز پر سبھی فراڈوں نے پھول چڑھاتے ہوئے اپنی اپنی جیب مونگ پھلی اور چنوں سے بھر لی۔ گنجے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی کہنی سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

"برخوردار! تم کس سوچ میں مبتلا ہو؟ شروع کرو اپنی تر بتر کہانی کہ محفل گوش بر آواز ہے۔"

لنگڑے فراڈ نے اپنی لنگڑی ٹانگ کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "عمر کے اعتبار سے میں تم سب سے بڑا ہوں۔ گو اس بزرگی کی سند نہ تو میرے پاس ہے۔ اور نہ ہی میرے والد بزرگوار کے پاس۔ تاہم پھر بھی آپ یہ باور کریں کہ میں عمر میں آپ سب سے بڑا ہوں۔ میں نے کنوئیں کے مینڈک کی طرح دنیا دیکھ رکھی ہے

گو دنیا نے مجھے ابھی تک نہیں دیکھا۔ لیکن میں اپنے تجربات اور مشاہدات کے بل بوتے پر اس بات کا دعوٰے رکھتا ہوں کہ دنیا گول نہیں لنگڑی ہے اور اسی لئے میں ہر محفل میں اپنے لنگڑی مارنے سے نہیں چوکتا۔ یہ اور بات ہے کہ میری لنگڑی کی قیمت ابھی تک یہ بورژوا نظام نہیں ڈال سکا۔ لیکن مجھے یقین ہے اور تم بھی یقین کر لو کہ سُرخ انقلاب کے بعد میری لنگڑی کی اہمیت ایک دنیا محسوس کرے گی۔ اور اسی امید پر میں اپنی لنگڑی ٹانگ کی مالش بلاناغہ مٹی کے تیل سے کئے جا رہا ہوں۔"

توند والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی بات کاٹ کر کہا۔ "کیوں بھائی مسٹر لنگڑدین! یہ مٹی کے تیل کا نسخہ آپ کو کسی حکیم جی نے بتایا تھا کیا؟"

"جی ہاں۔ مگر اس اکسیری نسخے کے فوائد میں آپ سب یتیموں کو نہیں بتاؤں گا۔" لنگڑے فراڈ نے فٹ بال سی توند پر شفقتِ پدرانہ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ نسخہ میری ماں کو میری ماں کے نانا جان نے بتایا تھا اور ماں کہتی تھی کہ اُن کے نانا جان کی حکمت کا لوہا بڑے بڑے حکیم مانتے تھے۔ اُن کے ٹوٹکوں کی شہرت ہندوستان گیر ہی نہیں، بلکہ عالم گیر تھی۔ ان کے نسخوں سے بڑے بڑے دل گردے والے مریض بمعہ اپنے مرض کے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف مارچ کر گئے۔ ماں کہتی تھی، کہ دو بار اُن پر قتل کا مقدمہ بھی بنا تھا۔ لیکن ان کے مجرّب نسخوں نے دونوں بار انہیں پھانسی کے تختے پر جانے سے بچا لیا۔"

داڑھی والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کے مُنہ میں لگام دیتے ہوئے کہا۔

"اماں یار! ہمیں تمہاری ماں کے نانا جان کی کہانی سے کیا حاصل۔ ہمیں تو تم اپنی سرگذشت سناؤ۔"

بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی تائید میں اپنی ٹیڑھی آنکھ بھینچ دی۔

"تو ہاں سنو بھائیو سنو۔ تم میری ہی سرگذشت سنو۔ چار بھائیوں کا کہا سر آنکھوں پر۔ تم میری لنگڑی ٹانگ دیکھ کر یہ مت سوچو کہ میں پیدائشی لنگڑا ہوں۔ حالانکہ میری اس ٹانگ کے متعلق عام لوگوں میں یہی پرچار کیا گیا ہے کہ یہ لنگڑاپن پیدائشی ہے۔ مگر آپ لوگوں سے کیا چوری۔ حقیقت یہ ہے کہ میں بچپن ہی سے فراڈی ہوں۔ اسکول کے دنوں میں ہی میں نے فن چوری میں کمال دسترس حاصل کر لی تھی۔ اور اس فن میں عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ پختگی آتی چلی گئی۔ اور میں اس فن میں پختہ کار ہوتا چلا گیا۔"

سب فراڈوں نے اپنی اپنی جیبوں میں پڑے ہوئے خالی بٹوؤں کو ٹٹولا۔ اور داڑھی والے فراڈ نے بڑے رشک سے لنگڑے فراڈ کو دیکھ کر کہا۔ "پھر تو آپ کی فرم بڑے مزے سے چل رہی ہوگی۔"

لنگڑے فراڈ نے کھسیاتے ہوئے جواب دیا۔ "گورو دیو! آپ کا آشیرواد حاصل کیے بغیر ہی میری فرم کا دیوالہ نکل گیا۔ اور میں دیوالیہ ہو کر آپ لوگوں کی کمپنی کا باضابطہ ممبر بن گیا۔ شروع شروع میں میری فرم خوب چمک رہی تھی۔ لیکن ایک دن بدقسمتی نے مجھے کماد کی چوری پر اکسایا تو میں کھیت میں گھس کر کماد توڑنے میں مشغول ہو گیا۔ مگر نہ جانے کھیت کے مالک نے مجھے کس طرح دیکھ لیا اور رنگے ہاتھوں پکڑ کر اس نے میری وہ مرمّت کی کہ چھٹی

کا دودھ یاد آ گیا۔ لیکن جاتے جاتے کم بخت ٹوٹے ہوئے کماد کی طرح میری ٹانگ بھی توڑ گیا۔"

سب فراڈوں نے لمبی لمبی ٹھنڈی آہیں بھر کر لنگڑے فراڈ سے ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔ بھینگے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی لنگڑی ٹانگ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تو آپ کی ٹانگ شریف کو کماد شریف کی چوری نے چکنا چور کر دیا۔"

"جی ہاں۔ اب تو ایسا ہی سمجھئے۔ اور آگے سنئے۔ میں اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر گاؤں سے شہر چلا آیا۔ شہر میں آ کر مجھے بڑے بڑے تلخ تجربات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور میں ایک اچھا شہری بننے کی کوشش میں جُٹ گیا۔ حالانکہ اچھا شہری بننا میرے دائیں ہاتھ کا کام تھا اور بائیں ہاتھ کا کرتب! کیونکہ وہ تمام خوبیاں مجھ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جو ایک اچھے شہری میں ہونی چاہئیں۔ جوا، چوری، جیب تراشی، شراب نوشی، چار سو بیسی اور ان کے علاوہ دوسرے تمام فنونِ مردانگی میں گاؤں سے ہی اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ شہر میں آ کر حسبِ تنہائی کا مجھے پہلے پہل احساس ہوا وہ یہی تھی کہ میں خواہ مخواہ کے لئے صاحبِ کمال لوگوں سے کنی کتراتا رہا۔ حالانکہ میں ان کے مقابلہ میں خود کو کسی طرح بھی جاہل تصور نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے جاہلوں سے دلی رغبت تھی۔ میں کم عقل اور کوڑ ذہن لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا اس لئے بھی پسند کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں میں بیٹھ کر میں اپنی اس امتیازی شان کو برقرار رکھ پاتا ہوں جو میری خود ساختہ عظمتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔"

توند والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی بات کاٹ کر کہا۔ "تو کیا تم ہم سب

کو جاہل اور کم عقل تصوّر کئے ہوئے ہو؟"

لنگڑے فراڈ نے اپنے مرجھائے ہوئے سیاہی مائل ہونٹوں سے مسکراہٹ کا بوجھ پھینک کر جواب دیا۔

"نہیں۔ میں آپ سب لوگوں کو ایسا نہیں سمجھتا۔ اور نہ ہی میں آپ کو ایسا سمجھنے کی حماقت کر سکتا ہوں۔ آخر آپ لوگ بھی تو میری طرح ترقی پسند ہیں۔ ترقی پسندی کی خواہش آپ سب کی فطرت کا جزوِ ثانیہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ سب لوگ بھی میری طرح رجعت پسندی کے اندھیرے کو اپنے ساتھ گھسیٹ رہے ہیں۔ کیونکہ یہ اندھیرا ہمیں وراثت میں ملا ہے۔"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کو سنوارتے ہوئے کہا "ہاں بھائی سچ کہتے ہو۔ ہمارے آباواجداد بھی کتنے مفلس تھے۔ غریب خود اندھیروں میں پنپے اور ہمیں تاریکیوں میں ڈال گئے۔ روشنی کی ہلکی سی جھلک بھی ان لوگوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔"

بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی بات کو دھوبی پٹڑا مار کر پٹخنی دیتے ہوئے کہا۔ "سائیں بابا۔ یہ ترقی پسند نظریات جن کا اظہار تم یہاں کر رہے ہو۔ اگر کسی آزاد ملک کی آزاد قوم کے سامنے تم ان کا اظہار کرتے تو آپ کا منہ خاک سے۔۔۔ نہیں نہیں خاک میرے منہ میں، معاف کرنا سائیں بابا۔ آپ کا روبلوں اور ڈالروں سے بھر دیا جاتا اور آپ عمر بھر ترقی یافتہ نظریات کی تحقیق میں لگے رہتے۔

داڑھی والے فراڈ نے بھینگے فراڈ کو دھوبی پٹڑے کا توڑ مارتے ہوئے

جواب دیا۔"کیوں بکتے ہو۔ ڈالروں کا دلیش قیامت تک ترقی پسند نظریات کا حامل نہیں بن سکتا۔ البتہ روبل ... خیر جانے دو ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کہانی کو اپنے فطری بہاؤ سے بہنے دو!"

لنگڑے فراڈ نے اپنی ٹانگ کو اپنی سرگذشت کی طرف موڑتے ہوئے کہنا شروع کیا۔" شہر میں آکر مجھے اس روشنی کی جھلک دکھائی دی۔ جس روشنی کو نگلنے کے لئے رجعت پسندی کے اندھیرے بڑی تیزی سے آگے سرک رہے تھے۔ اور میں اس روشنی کو زندہ رکھنے کے لئے ترقی پسند بن گیا۔ اب میں ایک سنجیدہ ترقی پسند ہوں۔ دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ ہڑتالیں کروانے اور قومی مفاد کو نقصان پہنچانے کے لئے میں ہر وقت چوکس رہتا ہوں۔ ہڑتال میری زندگی کا مشرب ہے۔ مشرب اس لئے کہ میں خود ایک ازلی ہڑتالی ہوں۔ ویسے میں نے کہانیاں بھی لکھی ہیں اور ناول بھی۔ تنقیدی مضامین بھی اُگلے ہیں اور نظمیں بھی۔ میری ایک نظم کو ہندوستان گیر شہرت نصیب ہوئی ہے۔ مگر اتنا کچھ ہونے کے باوجود آج تک میرا کوئی مجموعہ مارکیٹ میں نہیں آیا۔ اور نہ ہی کسی عوامی ادارے نے مجھے کامیاب فن کار تسلیم کیا ہے۔ البتہ میں سادہ لوح پبلشروں اور ایڈیٹروں کو کبھی کبھار دس پندرہ روپے کا چونا اب بھی لگا لیتا ہوں۔ مجھے ہندوستان اور پاکستان کے تمام مقبول فنکاروں سے دلی نفرت ہے۔ اور نفرت کیوں نہ ہو جبکہ وہ میری کامیابی کے راستے میں دیوارِ چین کی طرح حائل ہو رہے ہیں ..."

گنجے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کے تنزل پذیر ارتقا پر کفِ افسوس ملتے

ہوئے کہا۔" تو پھر آپ صرف نقاد ہی کیوں نہیں بن جاتے؟"

لنگڑے فراڈ نے گنجے فراڈ کی معقول ترین تجویز پر غور فرماتے ہوئے جواب دیا۔" بھئی یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اب نقاد بنوں یا رہبر۔ ابھی تک تو نہ میں تیتر ہوں نہ بٹیر۔ نیم حکیم خطرۂ جان کے مصداق میں آدھا نقاد اور آدھا رہبر ہوں۔ اس لئے دال کہیں نہیں گلتی۔ آج تک کی تمام ناکام ہڑتالوں کا سہرا لوگ میرے سر باندھتے چلے آئے ہیں اور مجھے اس بات کا فخر حاصل ہے کہ سُرخ دیش کے سُرخ باشندوں نے میری ناکام ہڑتالوں کی خوب جی بھر کر پبلسٹی کی ہے۔"

ماسکو اور واشنگٹن میں میری لیڈر شپ کا طوطی بولتا ہے۔ ایک دفعہ ایک غیر ملکی پبلشر مجھے ملا تھا۔ وہ مجھ سے میرے افسانوں کا مجموعہ مانگ رہا تھا لیکن میں اسے اپنا مجموعہ اس لئے نہ دے سکا کہ میرے تمام افسانے ننگے، فحش اور جنس زدہ ہیں۔ میں اپنے افسانوں کے ذریعہ فحاشی اور عریانی کا پرچار کرتا ہوں۔ میری زندگی میں آج تک کوئی حسین صورت اور حسین سیرت عورت نہیں آئی۔ کسی عورت نے اپنا پیار مجھ پر نچھاور نہیں کیا۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ میری زندگی رومان کے لئے قطعی طور پر بنجر ثابت ہو چکی ہے۔ مجھے دنیا بھر کی حسین عورتوں سے محبت تھی۔ مگر دنیا بھر کی حسین عورتوں نے میری محبت کا نفرت اور حقارت سے جواب دیا۔ اور صنفِ لطیف کے اس کھردرے رویئے نے میری روح اور میرے احساس تک کو مجروح کر دیا۔"

توند والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی لنگڑی ٹانگ کو ٹھکورتے ہوئے

کہا۔" یار تمہاری زندگی تو سو فیصدی ڈرائی کلین ہو چکی ہے۔ میری مانو تو فینائل کی گولیاں منگوا کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چوبی بکس میں بند کر کے کسی غیر آباد قبرستان میں گاڑ دو۔"

"ہاں بھائی۔ سائیں بابا کی رومان خوردہ روداد سننے کے بعد میرے لئے آپ لوگوں کے پاس اس سے اچھا مشورہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ لیکن میں آپ کی رائے پر عمل کرنے سے قاصر ہوں۔ آپ میری قدر و قیمت آج نہیں تو مستقبل قریب میں ضرور محسوس کریں گے۔"

داڑھی والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا: "بھائی دل چھوٹا کرنے کی بجائے جنس فروشی کے ترقی پذیر اڈوں کا طواف شروع کر دو۔ تمہیں کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گی .... بس پھر ...."

"سائیں بابا۔ دنیا آپ نے بھی دیکھی ہے اور میں نے بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ بزنس کے ازلی گورکھ دھندوں میں اُلجھے رہے اور میں زندگی کی ازلی ہڑتالوں میں۔ مگر سُنو۔ یہ میری زندگی کا سب سے دلچسپ اور ہنگامہ خیز واقعہ ہے:-

"ایک دفعہ مجھے ایک ناکام ہڑتال کے سلسلہ میں پولیس والوں نے دھر لیا۔ اور پکڑ کر مجھے تھانے میں لے گئے۔ سچ مانئے تھانے میں پہنچ کر میرے حواس امن کی فاختہ کی طرح باختہ ہو گئے۔ اور میں تھر تھر کانپنے لگا۔ اسے بڑ نہ سمجھئے یہ حقیقت ہے۔ اور انسپکٹر پولیس نے جب موٹے موٹے دیدے نکال کر مجھ سے انٹ سنٹ سوال پوچھے تو میں انسپکٹر کی بغلیں جھانکنے لگا۔

انسپکٹر نے پوچھا۔ "تم کیا کرتے ہو؟"

میں نے جھٹ سے جواب دیا۔ "مائی باپ میں ایک ازلی ہڑتالی ہوں، اس لئے کچھ نہیں کرتا۔"

انسپکٹر نے اپنی چھلّے دار مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔ "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

انسپکٹر کے اس سوال پر میں نے برجستہ جواب دیا۔ "رہبر گراڈ کا باسی ہوں۔" رہبر گراڈ کا نام سنتے ہی انسپکٹر نے اٹین شن ہو کر مجھے کھٹاک سے سلوٹ مارا۔ اور سپاہی کو بلا کر کہا۔ "اس چغد کو کہاں سے دھر لائے ہو۔ اس کم بخت کا دماغی کارتوس ایک دم چلا ہوا ہے۔ اس اُلّو کے .... کو فوراً دھکّے مار کر تھانے کی سرحد سے پار کر دو!" لہٰذا انسپکٹر پولیس کے اس حکم کی تعمیل میں مجھے تھانے کی بونڈری کراس کرنی پڑی۔"

لنگڑے فراڈ نے جیسے ہی اپنی کہانی کو بریک مارا۔ سب فراڈ اپنی اپنی سیٹوں سے اُچھل پڑے۔ اور لگے ایک دوسرے فراڈ کا منہ تکنے ــــ!

قصہ تیسرے



تمام فراڈوں نے گذشتہ ملاقات کی فضا اپنے اپنے دماغوں میں مربوط

کرتے ہوئے نعرۂ مستانہ بلند کیا ؎

بڑے بے آبرو ہو کر ترے تھانے سے ہم نکلے

جی ہاں ہاں! ترے تھانے سے ....

داڑھی والے فراڈ نے پہلے مصرعہ کو اُٹھاتے ہوئے کلّن قوال کی کاپی

کرتے ہوئے ایک ہاتھ کان پر رکھا اور دوسرا فضا میں لہراتے ہوئے گراری ماری۔

بھینگے فراڈ نے گنجے فراڈ کی چاند کو طبلہ سمجھ کر اس پر اس زور کی تھاپ

لگائی کہ گنجے فراڈ کے آنسو نکل آئے۔ گنجے فراڈ کو روتے ہوئے دیکھ کر سبھی فراڈ

دم سادھ گئے۔ داڑھی والے فراڈ کی گراری اس کے حلق میں ہی اٹک گئی۔ اور

بھینگے طبلچی کے ہاتھ پتلوں کی پھٹی ہوئی جیبوں میں جذب ہو گئے۔

لنگڑے فراڈ نے گنجے فراڈ کی پیٹھ تھپ تھپا کر کہا "برادرم! تم اپنا دل پتلا نہ کرو۔ مانا کہ تم ایک حساس دل شاعر ہو۔ اور تمہیں میری غیر رومانٹک داستان نے بے حد متاثر کیا ہے۔ مگر میرے یار، اس طرح رونے سے کیا حاصل؟"

گنجے فراڈ نے شیطان کی آنت سے بھی لمبی آہ بھر کر جواب دیا "میرے پیارے فراڈ بھیا! مجھے تمہاری کہانی نے بالکل متاثر نہیں کیا۔ میں تو ذرا یوں ہی موڈ میں آکر رو دیا ہوں۔ تمہاری کہانی، چھی چھی! بالکل بکواس ہے اور سراسر جھوٹ پر مبنی! تم تو تم ہو، تمہارے بزرگوں نے بھی ابھی تک تھانہ نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ سعادت کسی کسی کو ہی نصیب ہوا کرتی ہے۔ ہنوز تم ایک نامکمل فراڈ ہو۔ ورنہ اتنی کچی ڈینگ نہ ہانکتے۔"

بھینگے فراڈ نے گنجے فراڈ کی ہوا باندھتے ہوئے کہا۔ "آپ بجا فرماتے ہیں۔ آخر آپ نے بھی تو دنیا دیکھ رکھی ہے۔ حیدرآباد کے گلی کوچوں میں آج تک حضور کی داستانیں رینگ رہی ہیں۔ اور ہزاروں نابالغ ذہن ان کے تعاقب میں دوڑ لگا رہے ہیں۔"

توندوالے فراڈ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گنجے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "تو حضرت ان داستانوں میں سے ایک آدھ داستان آج یہاں بھی ہو جائے طبیعت آپ کو سننے کے لئے بری طرح مچل رہی ہے۔ لنگڑے فراڈ کی لنگڑیوں نے تو زبان کا سارا مزا ہی کرکرا کر دیا ہے۔"

گنجے فراڈ نے ایوننگ نیوز سے اپنی چاند کا پسینہ پونچھ کر کہا۔ "بھائیو۔ ویسے بھی مجھے بدہضمی کی شکایت ہے۔ کھایا پیا تو کیا، میں ذراسی بات بھی ہضم نہیں کرسکتا

یہ اور بات ہے کہ مفت کی شراب جس قدر بھی ہو، پیٹ میں انڈیل لیتا ہوں۔ اور قے تک نہیں کرتا۔ شراب پیتا ہوں، شعر لکھتا ہوں۔ قے جب آتی ہے شعر پڑھتا ہوں میری شخصیت اور میری شاعری کو لال پری نے اس قدر شہرت دی ہے کہ اب میں شہرت سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ گو شہرت آج بھی میرے آگے پیچھے دیدے مٹکاتی پھرتی ہے مگر میں اسے آنکھ تک نہیں مارتا۔"

داڑھی والے فراڈ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے گنجے فراڈ کی طرف دیکھ کر رُندھے ہوئے گلے سے کہا۔ "خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ پھر تو آپ خاندانی رئیس ہی نہیں، خاندانی خوش نصیب بھی ہوئے۔"

"ملنگ بابا! میں خاندانی رئیس تو ضرور ہوں۔ مگر خاندانی خوش نصیبی بد قسمتی سے میرے نصیب تک رسائی نہ پاسکی۔ اور اب "پدرم سلطان بود" کے مصداق میں "پدرم سلطان بُود" کی اچھی خاصی تشریح بن کر رہ گیا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس بات کا میرے خاندان کی مرحوم ہستیوں کو دکھ ہو۔ مگر مجھے اُن کے دُکھ سے کیا۔ خدا مغفرت کرے، اچھے لوگ تھے۔ آن بان کے ساتھ جئے اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ مرے۔ بفضلِ ربّی سے ان مرحوم روحوں کا نام آج بھی زندہ ہے۔ اور میں ان کے نام کی زندگی سے اپنی زندگی کو دھکیل رہا ہوں۔ یا یوں سمجھ لو کہ اُن کے ناموں سے رات دن فیضیاب ہو رہا ہوں۔"

"وہ کیسے! وہ کیسے؟" لنگڑا فراڈ گنجے فراڈ کی بات کاٹ کر چیخا۔

گنجے فراڈ نے خونخوار نگاہوں سے لنگڑے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "برادرِ عزیز! اگر تم اپنی لنگڑی مارنے سے نہیں چوکوگے تو میں تمہاری دوسری ٹانگ بھی

توڑ دوں گا۔ کیونکہ میں توڑ پھوڑ کا قائل ہوں۔ تخریب پسندی میری فطرت کا جزوِ ثانیہ بن چکی ہے۔ اور میں ایک سچا دہشت پسند ثابت ہو چکا ہوں۔ اس لئے اپنی سالم ٹانگ چپ چاپ اِس طرف بڑھا دو، ورنہ میں کسی کی ٹانگ توڑنے پر مجبور ہو جاؤنگا"

توند والے فراڈ نے جب گنجے فراڈ کو کپڑوں سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو چپ نہ رہ سکا۔ وہ بڑی انکساری سے بولا۔

"اے خیام کے مقلد، اے نذرالسلام کے نقال، کسی کی ٹانگ توڑنا اس بورژوا نظام کی نگاہوں میں کوئی انقلابی فعل نہیں۔ بلکہ ایک ناقابلِ برداشت جرم ہے اور جرم کی سزا بڑی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اس لئے تم شانتی سے کام لو اور اپنی عاقبت کا خیال کرو۔ جس طرح بن سکے غصہ تھوک کر اپنے موڈ کا خراسانی ٹٹو اپنی داستانِ حیات کی طرف موڑ لو"

داڑھی والے فراڈ نے توند والے فراڈ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں میرے گنجے فراڈ! توند والا فراڈ ٹھیک کہتا ہے۔ ابھی ہمیں جنگ کی نہیں امن کی ضرورت ہے۔ اور اگر ہم آپس میں یوں ہی لڑتے رہے تو امریکی جنگ بازوں کے گرگچھے ہم رُوسی چچوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیں گے۔ اور پھر تم تو ایک سچے امن پسند ہو.... ثبوت کے طور پر امن اپیل پر سب سے پہلے تم نے دستخط کئے تھے۔ امن پر بڑی بڑی بھیانک اور بیمار نظمیں لکھ کر دنیا بھر کے امن پسندوں کو تم نے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ اگر چاہو تو میں تمہیں تمہاری ایک آدھ نظم اس دل شکستہ موڈ میں بھی سُنا سکتا ہوں"

گنجے فراڈ نے ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور حیرت زدہ

ہو کر اپنے فراڈ بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ میں خاندانی نواب ہوں۔ اور ایک نواب اپنے ذاتی معاملات میں کسی بھی شخص کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتا۔ میں عوامی تحریکوں کے ساتھ بہ حالتِ مجبوری چل رہا ہوں۔ مجھے اپنا نوابی جاہ و جلال واپس لینا ہے۔ اور اسی لئے میں نے عوامی پن کا بہروپ بھر رکھا ہے۔ ورنہ جو سچ پوچھو تو مجھے آپ کے عوام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ عوام کو اپنا کر میں اپنا قدیمی وقار، شان و شوکت اور جاہ و جلال مٹی میں نہیں ملا سکتا۔ آج میں اپنے آپ کو آپ لوگوں کے سامنے بلا جھجک ننگا کر رہا ہوں۔ ارے آپ لوگ تو سچ مچ ہی شرما گئے۔ شرمائیے نہیں۔ میں اپنے ظاہری کپڑے نہیں اُتاروں گا۔ بلکہ اپنا باطن آپ سب پر عیاں کروں گا۔ میں جانتا ہوں، کہ آپ سب بھی میری طرح ننگے ہیں ـــ ننگے ـــ بالکل ایک حمام میں پانچ ننگوں کی طرح ہمیں ایک دوسرے کی عریانی کا سامنا کرنا ہے۔ اور ہم کریں گے۔ ہمیں ایک دوسرے سے شرمانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ ایک دوسرے کی عریانی کو فراخ دلی سے اپنانا چاہیئے۔ اور وہ بھی سو فیصدی ترقی پسندانہ سپرٹ سے! ـــ آمدم برسرِ مطلب' تو میں آپ لوگوں سے کہہ رہا تھا ـــ کیا کہہ رہا تھا؟ یہ تو مجھے یاد نہیں رہا۔ لنگڑے فراڈ کی لنگڑی سے میرا خراسانی بھڑک گیا تھا ـــ تمہیں یاد ہے میری کہانی کا سِلسلہ کہاں سے ٹوٹا تھا؟"

لنگڑے فراڈ نے فرشی سلام پھینکتے ہوئے کہا "حضور! اگر جان و مال کی سلامتی ہو تو کچھ عرض کروں؟"

گنجے فراڈ نے قہر آلود نظروں سے لنگڑے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔

"اجازت ہے"۔

لنگڑے فراڈ نے دوبارہ فرشی سلام مارتے ہوئے کہا "حضور! آپ فرما رہے تھے کہ قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ قربانیاں اب رنگ لا رہی ہیں اور میں اُن سے رات دن فیضیاب ہو رہا ہوں"۔

گنجے فراڈ نے اپنی صفاچٹ کھوپڑی پر ہاتھ پھیر کر کہا "برادرم! آدمی ذہین معلوم ہوتے ہو۔ حافظہ بھی اچھا خاصہ تیزابی رکھتے ہو۔ اگر یہ لنگڑی مارنے کی عادت چھوڑ دو تو تمہاری قدر و منزلت بڑھ سکتی ہے۔ تو ہاں، میں کہہ رہا تھا کہ مرحوم بزرگوں کی قربانیاں اب رنگ لا رہی ہیں۔ اور میں رات دن ان سے فیضیاب ہو رہا ہوں۔ مرنے والے مر گئے اور اپنی راہ صاف کر گئے۔ "پڑھے نہ لکھے نام علم دین" کے مصداق تم مجھے علم دین تصوّر کر سکتے ہو۔ میں نے اسکول کا پچھواڑہ ضرور دیکھا ہے لیکن اسکول کی اگاڑی کو میں گھوڑے کی پچھاڑی سمجھ کر ہمیشہ ہی اس سے دور بھاگتا رہا لیکن صاحب اسکول کے پچھواڑے بیٹھ کر بھی آپ کے خاکسار علم دین نے وہ کچھ سیکھ اور پڑھ لیا ہے جو بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں عمریں گزار دینے پر بھی نہ کوئی سیکھ سکتا ہے اور نہ پڑھ سکتا ہے مثلاً پتنگ بازی، بٹیر بازی، شطرنج بازی، چوسر بازی، قمار بازی۔ غرضیکہ ہر ایک بازی میں میں شاطر ہوں۔ ہندوستان و پاکستان میں آج کل میرا طوطی بولتا ہے۔ اور جب تک یہ خاکسار بہ قید حیات رہے گا۔ یہ طوطی اسی طرح بہ مثل مینا بولتا ہی رہے گا۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔

خیر چھوڑیئے ان باتوں سے آپ کو کیا حاصل۔ بزرگوں کی دعاؤں، اور میری خداداد شاعرانہ صلاحیتوں نے ہندوستان کے بڑے بڑے نوابوں کے

دستر خوانوں تک میرا ہاتھ پہنچا دیا اور میں اپنے طلسماتی ہاتھ کا سہارا لے کر ان کے دستر خوان چٹ کر گیا۔ میرے ہاتھ کی صفائی نے ایک بہت بڑی ریاست کے بہت بڑے نواب کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ غریب اپنی ریاست میں مجھے ایک اچھے عہدے پر مامور کرنے کی خطا کر بیٹھا۔ اور میں اس کی خطا کاری سے گھبرا کر اس کی مؤدبانہ التماس پر عمل درآمد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ آخر ایک نواب کی درخواست کو ٹھکرانا میرے بس کا روگ بھی تو نہ تھا۔ "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق میں نواب صاحب کے دستر خوان کو ماموں جان کا دستر خوان سمجھ کر ڈٹ گیا۔ اور اپنے علم و فن کی روشنی سے ریاست کے کونے کونے کو چکا چوند کرنے میں مصروف ہو گیا۔

ریاست کے جاہل لوگ میرے علم و فن کی روشنی سے جھولیاں بھرنے لگے۔ اور میں نوابی انعام و اکرام سے اپنی جیبیں۔ بھائیو! میری زندگی بڑے مزے سے کٹ رہی تھی۔ لیکن فلک کج رفتار کو میری مستائی ہوئی زندگی پھوٹی آنکھوں نہ بھائی۔ ہوا یوں کہ میں کسی مشاعرہ کے سلسلے میں ریاست بدر ہو رہا تھا۔ مطلب یہ کہ ریاست سے باہر جا رہا تھا۔ ریل گاڑی پلیٹ فارم پر حاضر تھی۔ میرا سامان فسٹ کلاس میں لگا دیا گیا۔ اور میں بہ نفس نفیس "ڈائننگ کار" میں گھس کر شغلِ مے نوشی میں غرق ہو گیا۔ دو چار اسٹیشن گذار کر جب گاڑی کسی اسٹیشن پر رُکی، تو مجھے اپنے ساز و سامان کی خیر و عافیت معلوم کرنے کی سوجھی۔ اور میں اسی سوجھ بوجھ کے عالم میں ڈائننگ کار سے نکل بھاگا۔ اپنے ڈبے میں پہنچ کر دیکھتا کیا ہوں کہ میرا بستر لگا ہوا ہے اور دودھ سے بھی زیادہ سفید چادر، میرے وصل سے لطف اندوز

ہونے کی تمنا لئے ہوئے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہے۔ نیند مجھ پر بھی غالب آرہی تھی۔ بس میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اوندھے منہ چادر پر گر گیا۔ میں نشہ میں دھت تھا۔ لیکن آناً فاناً میرا نشہ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرنے لگا۔ یعنی میں ہوش میں آنے لگا۔ اور جب مکمل طور پر مجھے ہوش آگیا تو سچ مانئے۔ میرے ہاتھوں کے طوطے ہی اُڑ گئے۔ دیکھتا کیا ہوں، کہ ساڑھے چھ فٹ کا لمبا تڑنگا آدمی ایک ہاتھ سے میرا گریبان پکڑے ہوئے ہے اور دوسرے ہاتھ سے میرے کتابی چہرہ کی مالش کر رہا ہے۔ جوں جوں مالش کی گرمائش بڑھتی گئی میرے حواس باختہ ہوتے گئے اور میرے پاؤں تلے کی زمین سرکتی گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک اچھے خاصے ہجوم نے مجھے اپنے نرغے میں لے رکھا ہے اور بے بھاؤ کی صلواتیں سُنا رہا ہے اور میں سُن رہا ہوں۔ ہجوم کی گالیاں سنتے سنتے جب میں تھک گیا تو میرا سر ندامت سے اکڑ گیا۔ اور میں اکڑ کر بولا۔

"احمقو! تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟ اگر تم میرا حسب نسب جان لیتے تو میری یہ دُرگت نہ ہوتی۔ میرے عزیزو! میں وہ ہوں۔ جس نے تمہارے گھروں میں شعر و شاعری اور فکر و فن کے دیئے روشن کئے ہیں۔ میں وہ ہوں جس نے اس ریاست میں علم و ہنر کے پرچم بلند کئے ہیں۔ میرا نام علم دین ہے علم دین!"

میرا نام سنتے ہی لوگ تھر تھر کانپنے لگے۔ مگر وہ ساڑھے چھ فٹ کا لمبا تڑنگا گبرو جو آدمی کم اور قطب مینار زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ اکڑ کر بولا۔

"مسٹر! تمہارا نام علم دین ہے تو میرا نام بھی مولا بخش ہے۔ میں تمہاری پھونک نکال کر ہی دم لوں گا!"

اس ظالم کی اس للکار نے میرا نشہ ختم کر دیا۔ اور میں یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا کہ واقعی وہ میری پھونک نکال کر ہی دم لے گا۔ مجھے یوں لگا۔ جیسے سچ مچ ہی میری پھونک نکل گئی ہو۔ اور پھونک نکلتے ہی میں جوش سے ہوش میں آگیا۔ اور ہوش میں آتے ہی مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ مجھے صاف صاف دکھائی دیا کہ میری بچی کھچی پھونک بھی یہ ظالم نکال کر ہی دم لے گا۔ لہٰذا منت وسماجت کرتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

"خان صاحب! میں نشے میں تھا۔ اور عالم بدمستی میں اگر کوئی مجھ سے ایسی ویسی حرکت سرزد ہو گئی ہو تو مجھے اپنا عزیز سمجھ کر معاف کر دیجیے۔ میں باقی ماندہ تمام عمر آپ کا شکر گذار رہوں گا۔"

میری اس گڑگڑاہٹ سے اس ظالم کا دل پسیج گیا۔ اور میری جان آفت کے پنجے سے صاف صاف چھوٹ گئی ـــــ لیکن بھائیو! اس دن سے آج تک میں نے ریاست والوں کو اپنا منہ نہیں دکھایا۔ اور نہ ہی ان کا منہ دیکھنے کی نوبت تک پہنچا ہوں۔ یکایک میرا ریاست سے "رفو چکر" ہو جانا ریاست کی نیک دل جنتا کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا۔ کچھ دن رو پیٹ کر میرے محبوب عوام مجھے ہمیشہ کے لئے بھول گئے۔ لیکن یار لوگوں نے میری شرافت کو جُل دے کر میری اس پُراسرار گمشدگی پر وہ حاشیہ آرائی کی کہ "رہے نام اللہ کا" ہندوستان گیر پیمانے پر میرے خلاف یہ افواہ اڑا دی گئی کہ خاکسار علم دین کو چوبیس گھنٹے کا نوٹس دے کر ریاست بدر کیا گیا ہے۔"

گنجے فراڈ کی آواز میں لکنت عود کر آئی۔ داڑھی والے فراڈ نے جب

اپنے یارِ غار کی حالت کو نازک ہوتے ہوئے دیکھا تو چیخ کر بولا۔

"ساتھیو! اپنے گنجے فراڈ کو ظالم رجعت پسندوں نے قطب مینار سے اُٹھا کر زمین پر پٹک دیا ہے۔ اور گنجے فراڈ کی ایک ایک ہڈی پسلی چیخ اُٹھی گئی ہے لیکن اس کے باوجود میں گھبرانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جب ہمارا داؤ لگے گا تو ہم قطب مینار کو اُٹھا کر آسمان پر پھینک دیں گے۔ پھر نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔"

سب فراڈوں نے داڑھی والے فراڈ کی تائید میں اپنے لمبے سر ہلائے اور یک زبان پانچ قالب ہو کر بولے۔

"ہاں ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ ہم قطب مینار کو زمین سے اکھاڑ کر آسمان میں گاڑ دیں گے۔ اور پھر دیکھیں گے کون رجعت پسند اس دھرتی پر قطب مینار کھڑا کرنے کی جسارت کرے گا۔"

گنجے فراڈ نے ایک ہی دار میں پانی کے دو گلاس چڑھا لئے۔ اور پھر اپنی چاند کا پسینہ قمیض کی آستین میں جذب کرتے ہوئے بولا۔ "میرے عزیز ترین یتیم بھائیو! جیسا کہ میں آپ سے پہلے عرض کر چکا ہوں۔ کہ میں پیدائشی نواب ہوں اور "پدرم سلطان بود" والی حکایت سو فیصدی میرے حسب حال ہے معاف کیجئے ؎

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

والی بات ہے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ "پدرم سلطان بود" والی حکایت سو فیصدی

میرے منافی ہے۔ اور اگر منافی نہ بھی ہو تو بھی یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ میں ایک پیدائشی نواب ہوں۔ اور نوابوں والے تمام آرٹ آپ مجھ میں بدرجۂ اتم پائیں گے۔ ریاست بدر ہونے کا سب سے زیادہ دکھ میری اکلوتی بیگم جان کو ہوا۔ اور وہ جان لیوا حادثے کی نذر ہو گئیں۔ اور میں عالم شباب میں ہی یتیم ہو گیا۔ لیکن میرے لئے ان حادثوں کی کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ میں حادثہ پروف فطرت کا مالک ہوں۔ لہٰذا حسب معمول زندگی کے دوسرے حادثوں کی طرح اِن دونوں حادثوں کو بھی میں آتش تر میں گھول کر پی گیا۔ اور ڈکار تک نہ لی"۔

توند والے فراڈ نے اپنی توند کو سہلاتے ہوئے کہا "حضرت! یہ آپ کا ہی دل گردہ ہے ورنہ کوئی اور غیرت مند ہوتا تو یقیناً خودکشی کر لیتا۔ یا قطب مینار سے سر کے بل چھلانگ لگا کر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا۔"

گنجے فراڈ نے توند والے فراڈ کی توند کو سہلاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "برادرم! تمہارا خیال درست ہے۔ مگر میرے نظریئے کے مطابق خودکشی کا ارتکاب کرنا "وکٹوریہ کراس" حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ اور میری وطن دوستی بہادری کا یہ تمغہ لے کر بزرگوں کی شان کو بٹہ نہیں لگا سکتی اور میرے اسی نظریے نے میری عزت کو بال بال بچا لیا۔ ورنہ اپنا تو "بولو ہی رام" ہو جاتا۔

ریاست بدر ہوتے ہی ہندوستان گیر شہرت نے میرے پاؤں چاٹے۔ اور میں ہندوستان گیر شہرت کا اکلوتا وارث بن گیا۔ چاروں اطراف سے مجھ پر انگلیاں اُٹھنے لگیں۔ ہر طرف سے مجھ پر آوازے کسے جانے لگے۔ اور گلی گلی میری شخصیت کا جلوس نکالا جانے لگا۔ اور اس طرح میرا نام گلی گلی شہرت پکڑنے

لگا۔ اور میں اس شہرت سے بچنے کے لئے ترقی پسند بن گیا۔ ترقی پسندی کی باضابطہ ٹریننگ لے کر میں نے بڑی بڑی بھیانک اور دھواں دھار منظوم تقریروں سے بڑے بڑے سیاسی اسٹیج ہلا دیئے۔ میری بمبار منظوم تقریروں کے دغدغوں سے کئی میموں کے...... گر گئے۔ اور کئی گورے صاحب بہادروں کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ سفید چمڑی والے صاحب لوگ اپنے ہیٹ بغل میں دبا کر اور جوتے سروں پر رکھ کر چلتے بنے — اور ملک آزاد ہو گیا۔ ہم آزاد ہو گئے۔ آزادی کی گہما گہمی میں سادہ لوح عوام میری سابقہ کرتوتوں کو بھول گئے۔

آزادی کی خوشی میں انعام واکرام بٹتے رہے اور میں یہ سب کچھ شراب کی ہلور میں اونچے مچان پر بیٹھا بیٹھا دیکھتا رہا۔ دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ میرے یتیم بھائیو! ان رجعت پسند راجکماروں نے آپ کے اس خاکسار علم دین کو ایک سرے سے ہی نظر انداز کر دیا۔ ان کی اس حرکت سے میرا خون چائے کے جوش کھلئے پانی کی طرح اُبال میں آ گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ میں نے اپنی توپوں کے منہ راجکماروں کے فلک بوس محلوں کی طرف پھیر دیئے..... بھلا سوچو تو جن گولوں نے انگریز جیسی حکمراں قوم کے اوسان خطا کر دیئے تھے اور ان کے پاؤں جڑ سے اُکھاڑ پھینکے تھے۔ ان گولوں کی تاب یہ مہاشے کہاں تک لاتے۔ مآل کار رجعت پسند راجکماروں نے اپنے ہتھیار ڈال کر میری فتح کا بگل داغ دیا۔

اماوس کی ایک رات کا ذکر ہے میں اپنے آپ کو ساغر مے کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق کر رہا تھا۔ کہ اچانک ان راجکماروں کا ایک خاص پیامی آ کر مجھ سے کہنے لگا

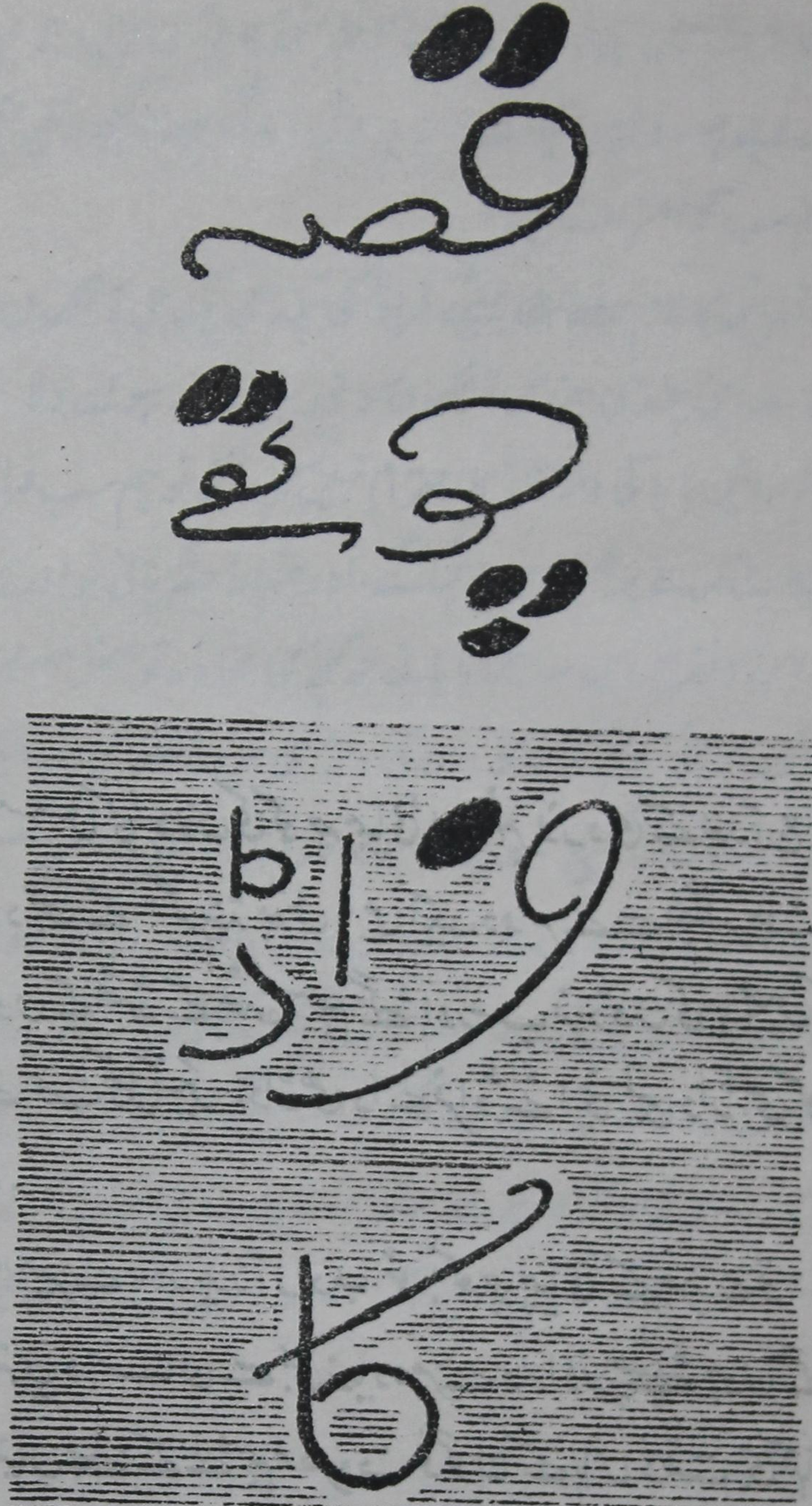
"علم دین صاحب! ہوش میں آیئے اور حکومت کے خلاف اپنی گولہ باری فوراً بند کیجئے۔ نہیں تو حکومتِ وقت ......"

"نہیں تو کیا! حکومتِ وقت مجھے سوہن حلوا کھلائے گی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر اکڑتے ہوئے کہا۔

حکومت کا پیامی میری اکڑ دیکھ کر ڈرتے ڈرتے بولا "حضور۔ حکومت تو آپ کی اپنی ہے۔ آپ کی قربانی تو تمام دیش بھگتوں سے زیادہ ہے۔ اس لئے حکومت آپ کو آپ کی قربانی کا معاوضہ دینا چاہتی ہے۔"

"کیا کہا؟ معاوضہ دینا چاہتی ہے؟"

سو حضرات اماوس کی اس رات سے لے کر اس وقت تک مجھے سرکار کی طرف سے معقول معاوضہ مل رہا ہے لیکن اس معقول معاوضے کے باوجود میں شراب دوسروں کی جیب سے پیتا ہوں۔ اب یہی میری ترقی پسندی کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ جسے آپ جب چاہیں منظرِ عام پر لا سکتے ہیں۔ اور کیا کہوں۔ گو کہنے کو تو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ مگر وقت کی تنگی اور آپ لوگوں کے بور ہونے کا احساس میری ہونٹوں پر قفل ڈال رہا ہے — بس یار زندہ۔ صحبت باقی۔"



مسلسل کئی دنوں کی کوچہ پیمائی اور شہر نوردی کے بعد آج جب وہ پانچوں فراڈ استاد جمن کے "گرینڈ ہوٹل" میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے تو سڑک چلتے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ سہم گئے اور سب فراڈوں کی باچھیں کسی انجانے جذبے کے تحت کھل گئیں۔ داڑھی والے فراڈ نے اپنی لمبی داڑھی کو میز پہ رکھ کر کہا:-

"میرے مادر پدر آزاد بھائیو! کوچہ پیمائی کے مزے تو "الف لیلیٰ" کی طویل ترین داستان سے بھی زیادہ مزے دار اور چٹپٹے ہوں گے۔ مگر اتنی طویل کہانیاں سننے کے لئے ہم مصروف لوگوں کے پاس وقت ہی کہاں ہے.... اور پھر...."

لنگڑے فراڈ نے اپنی لنگڑی سے داڑھی والے فراڈ کی بات کا سر قلم

کرتے ہوئے کہا۔ "دڑھیل بابا۔ یہ کوئی امن کانفرنس کا پنڈال نہیں۔ جو تم اپنی انٹ کی شنٹ ہانک رہے ہو۔ ویسے تمہاری خانہ بدوش زندگی بہت کچھ دیکھ چکی ہے۔ اس بات کا ہم سب کو اعتراف ہے۔"

امن کانفرنس کا نام سنتے ہی بھینگے فراڈ کی چُندھی چُندھی آنکھوں میں چراغ روشن ہوگئے۔ وہ اپنی چندھی چندھی آنکھوں کا نور برساتے ہوئے بولا۔ "دیکھو لنگڑے، اگر تم سائیں بابا کی داڑھی کا احترام نہیں کروگے تو ہم سب فراڈ تمہارا سماجک بائیکاٹ کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اور تمہارا حقّہ پانی برادری میں بند کروادیں گے۔ امن کانفرنس میں سائیں بابا نے جو کچھ کہا تھا وہ تو محض مصلحتاً کہا تھا سائیں بابا کی دُور اندیشی کو تم کیا جانو! ان کی داڑھی ضرور مصنوعی ہے۔ لیکن ان کی لمبی لمبی جٹائیں بے شک کھینچ کر دیکھ لو۔ یہ قدرتی ہیں۔ گھر کی اس کھیتی کی دڑھیل بابا بلاناغہ ناریل کے تیل سے سنچائی کرتے ہیں۔ اور... اور کیا کہوں؟"

توندوالے فراڈ نے اپنی فٹ بال نُما توند کو کِک مار کر کہا۔ "لنگڑے فراڈ نے جو حماقت کی ہے وہ تو حماقت ہے ہی۔ مگر شریمان بھینگے فراڈ جی! آپ کچھ اس سے کم احمق نہیں — جو خواہ مخواہ کے لئے ہمارا سُنہری وقت خراب کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔ حضور آج کی ملاقات کا پروگرام صرف آپ کی فراڈوں بھری کہانی سننے تک ہی محدود ہے۔"

گنجے فراڈ نے بنارسی پان کی گلوری منہ میں رکھ کر توند والے فراڈ کی حمایت میں لبوں کو جنبش دی۔ "توندل فراڈ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ آج کی ملاقات صرف بھینگے فراڈ کی کہانی کے لئے ہی وقف کی جاسکتی ہے۔"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کو حرکت میں لاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"میں اِن دونوں کے پروگرام سے سو فیصدی متفق ہوں"

بھینگے فراڈ نے اپنی پتلون کی پھٹی ہوئی جیب سے اپنی میلی کچیلی بیاض نکال کر شعر پڑھا ؎

ٹھوا ٹھوا اہتمام کریں گے
ریل کا پہیہ جام کریں گے

استاد جمن کا گرینڈ ہوٹل واہ واہ کے طوفانی شور سے بھر گیا۔ چائے سے لبریز کپ میزوں پر لڑھک گئے۔ پانی کے گلاس کرسیوں کے نیچے اُلٹ گئے۔ اور شاعر نواز اگلدان جوش میں آ کر میز کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ یہ منظر دیکھ دیکھ کر دوسرے تمام گاہک اپنا اپنا سامنہ لے کر ہوٹل اور ہوٹل کے مالک استاد جمن کو الوداعی سلام کہہ کر چلتے بنے۔ بھینگے فراڈ نے اپنے پہلے شعر کی بے پناہ کامیابی پر دل کھول کر داد وصول کی۔ اور اس داد کے معاوضے میں جی کھول کر سلام بانٹے۔

گنجے فراڈ نے حسد بھری آنکھوں سے بھینگے فراڈ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میاں صاحبزادے! کیا استادانہ مطلع کہہ گئے ہو۔ میرا جی اور راشد کی تمام شاعری تمہارے اس شعر کے سامنے ہیچ ہے"

بھینگے فراڈ نے میز کو سر پہ مارتے ہوئے کہا۔ نہیں نہیں! سر کو میز پر مار کر کہا "حضور! میں بلوچستانی ہوں۔ اردو میری مادری زبان ہے اور شعر و شاعری تو مجھے گھٹی میں گھول کر پلائی گئی تھی۔ اس لئے استادانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے

شعر کہنا میرے لئے چنداں مشکل نہیں۔ پھر آپ جیسے شعر چوروں کی صحبت کا بھی اس میں بہت کچھ دخل ہے۔"

داڑھی والے فراڈ نے بھینگے فراڈ کی بات کاٹ کر کہا۔ "برخوردار! اگر یہ شعر تمہاری اپنی کاوشوں کا نتیجہ ہے تو پھر تم بلا جھجک لنگر لنگوٹے کسے بغیر شاعر انقلاب کو اپنی روح پرور اور رجان لیوا شاعری کا چیلنج دے سکتے ہو۔ اور اپنے ٹوٹے ہوئے قلم کا لوہا جما سکتے ہو۔"

لنگڑے فراڈ نے بھینگے فراڈ کی پیٹھ ٹھونک کر کہا۔ "بزرگوارم! اپنی بیاض بند کر لیجئے۔ یہ شعر و شاعری کی جگہ نہیں، یہ استاد جمن کا ہوٹل ہے۔ یہاں جو بھی آتا ہے زبان دانی کا دعوٰے لے کر آتا ہے۔ اس ہوٹل میں چائے پینے والے کم اور شعر سنانے والے زیادہ آتے ہیں۔ ہندوستان بھر میں ہونے والے آل انڈیا قسم کے مشاعروں کی داغ بیل اس ہوٹل میں بیٹھ کر ڈالی جاتی ہے۔ مرحوم محمد حسین آزاد نے اپنی جاودانی تصنیف "آبِ حیات" کا مواد اسی ہوٹل میں بیٹھ کر ہی اکٹھا کیا تھا۔ استاد جمن اور استاد جمن کے اس گرینڈ ہوٹل کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ اس وقت میں تاریخ کے ورق نہیں الٹوں گا۔ لیکن گذشتہ دنوں کا ایک تاریخی حادثہ ضرور سناؤں گا۔ یہ حادثہ اسی ہوٹل میں رونما ہوا تھا۔ اور میرے سامنے ہوا تھا اس لئے جو کچھ میں نے دیکھا اور جو کچھ میرے کانوں نے سنا وہ آپ لوگ بھی سن لیں۔ بات کیسے شروع ہوئی اور کیسے نہیں اس کا تو مجھے کچھ خاص علم نہیں۔ لیکن میں نے اس ہوٹل میں دو پنڈتوں کو جو زبان دانی کا دعوٰے رکھتے تھے۔ آپس میں دو سانڈوں کی طرح لڑتے ہوئے دیکھا۔ دو زبان دانوں میں اس گھمسان کی جنگ

ہو رہی تھی کہ پانی پت کی لڑائی پر پانی پھر گیا۔ اور دیکھنے والے عش عش کر اُٹھے ایک پنڈت اغلباً کشمیری تھا۔ اور دوسرا لکھنوی۔ کشمیری پنڈت کا کہنا تھا کہ پان مؤنّث ہے اور لکھنوی کے نزدیک پان مذکر تھا نہ مؤنّث بلکہ مخنّث تھا۔ خالص مخنّث .... مذکر مؤنّث کی اس تو تو میں میں سے نوبت ہاتھا پائی اور گالی گلوچ تک پہنچی۔ دونوں زبان دانوں نے وہ وہ محاورے اور استعارے ہوائیں اُچھالے کہ سُننے والوں کے ہوش اُڑ گئے۔"

گنجے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی لنگڑی ٹانگ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "تم اپنی لنگڑی مارے بغیر نہیں مانو گے۔ خدا کی قسم بڑے ذلیل آدمی ہو۔ خیر تم ذلیل ہو تو ذلیل ہی رہو۔ اس سے ہمیں کیا۔ مگر خدا کے بندے ہمیں بھینگے فراڈ کی سرگذشت سے دلی اطمینان کے ساتھ لطف اندوز ہونے دو"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی زلفوں کو شانوں پہ بکھیرتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا۔

ع جب میں نے زلفیں بکھرائیں
بادل آیا جھوم کے ....

جب سب فراڈ داڑھی والے فراڈ کی سازوں بھری ترنّم ریز آواز میں جذب ہو گئے تو داڑھی والے فراڈ نے ایک دم ریکارڈ بدل کر کہا "میرے پیارے لنگڑمل! شری گنجے فراڈ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب ہمیں بھینگے فراڈ کی روداد سُن لینے دو"

توند والے فراڈ نے بھینگے فراڈ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "اب تم بھی تو اپنی بھینگی مارو۔ یوں ٹکر ٹکر کیا دیکھ رہے ہو"

بھینگے فراڈ نے اپنی آنکھ کے ٹیڑھے پن کو نمایاں کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"دوستو! میں سو فیصدی بلوچستانی ہوں۔ میرا نام جان کر آپ میری قومیت اور میرے مذہب سے متعارف ہو جائیں گے۔ اس لئے میں آپ کو اپنا اصلی نام نہیں بتاؤں گا۔ میں نے اپنا اصلی نام تخلص کی نقاب میں چھپا رکھا ہے۔ اور آپ کو یہ جان کر قطعی حیرت نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ میرا نام صرف میرے گھریلو افراد اور بچپن کے چند لنگوٹیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر کوئی میرا نام جاننے کی کوشش بھی کرے تو یقیناً وہ اپنے مقاصد میں بُری طرح ناکام ہوگا۔ یہ میرا دعویٰ ہے مگر اس کے برعکس آپ کو یہ جان کر انتہائی دُکھ ہوگا کہ میرے تخلص سے ہزاروں اردو پڑھے لکھے لوگ واقفیت حاصل کر چکے ہیں۔

شروع شروع میں میرا قلم بلوچی زبان میں ادب پارے اُگلتا تھا۔ مگر بلوچیوں نے میرے فن پاروں کی کوئی قدر و قیمت متعین نہ کی۔ اور میں شعر و شاعری کی چھاتی پر لات مار کر کاتب بن گیا اور بقول کسے "اندھوں میں کانا راجہ" کے مصداق میں اپنی چندھی آنکھوں اور بھینگے پن کے باوجود اپنے علاقہ میں صاحبِ طرز اور انشا پرداز کاتب مشہور ہو گیا۔ آہستہ آہستہ میری کتابت کی شہرت دریائے سندھ کو پار کر کے ملتان سے گذرتی ہوئی لاہور کے گلی کوچوں میں بکھر گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ لاہور کے اخبار نویس ایڈیٹروں کی طرف سے مجھے لاہور آنے کی دعوت پر دعوت ملنے لگی۔ دعوت ناموں کی بھرمار سے گھبرا کر اور ڈیرہ غازی خان کی فاقہ مست زندگی سے تنگ آکر ایک دن میں نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کا اعلان کر دیا۔

میرے اعلان کرنے کی دیر تھی کہ گھر میں کہرام بپا ہو گیا۔ جوان بیوی نے میرا

مُنہ پیٹ کر اور بوڑھی ماں نے اپنا سر نوچ کر سمجھایا کہ پاگل نہ بنو۔ دریا طغیانی پر ہے۔ ضد نہ کرو۔ یہیں پڑے رہو اور جو روکھا سوکھا مل رہا ہے اسی پر قناعت کرو۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کے گُن گاؤ۔"

جوان بیوی اور بوڑھی ماں کے سمجھانے بجھانے سے میرے جوان سال ارادے اور بھی بھڑ گئے۔ اور دریائے سندھ کو پار کرنے کا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا۔ بیوی اور ماں کی اجتماعی کوششیں اس بات پہ بضد تھیں کہ میں دریائے سندھ میں چھلانگ نہ لگاؤں۔ اور دعوت ناموں کی بھرمار اس بات پر زور دے رہی تھی کہ میں جلد سے جلد دریائے سندھ میں کود جاؤں۔ بالآخر ایک خاموش رات کے خاموش سناٹے میں آپ کا یہ خاکسار گوتم بدھ کی طرح اپنے گھر سے چُپ چاپ نکل کر منزل مقصود کی طرف چل پڑا۔ گوتم کی منزل نروان کی منزل تھی۔ اور میری .... میری منزل تو ....

گھر سے دریائے سندھ کا راستہ کسی طرح بھی دس میل سے کم نہ تھا۔ مگر جوں توں کر کے میں نے یہ سفر دو ٹانگوں پہ سوار ہو کر طے کر ہی لیا اور دریائے سندھ کے کنارے پر پہنچ گیا۔ دریائے سندھ کی بپھری ہوئی موجیں اچھل اچھل کر مجھے اپنی آغوش میں لینے کے لئے تڑپ رہی تھیں۔ بپھری ہوئی موجوں کا اضطراب مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ اور میں دل پہ پتھر باندھ کر دریا میں کود گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ میرا فن پیراکی تھا اور دریا کی بگڑی ہوئی موجیں تھیں۔ میں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں چلائے مگر بے سود۔ دریا کی خونخوار موجوں نے میری ایک نہ چلنے دی۔ آہستہ آہستہ میرے ہوش وحواس اُڑنے لگے۔ اور بالآخر میں نے تھک ہار کر اپنے آپ کو دریا کے

رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ آنکھیں موند کر دریا کا پیارا ہونے کے علاوہ میرے لئے اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اس لئے میں دریا جی کا پیارا ہو گیا....."

سب فراڈوں نے ایک زبان ہو کر اللہ تعالے سے دعا مانگتے ہوئے کہا۔

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"!

بھینگے فراڈ نے اپنی رام کہانی کو آگے لے جاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔" دوستو! میں اپنی طرف سے ایک دم مر چکا تھا۔ بیوی بچوں کو رو چکا تھا۔ لاہور کے اخبار نویس کرمفرماؤں کو گالیاں دے چکا تھا۔ اور اپنے آپ کو کوس چکا تھا۔ مگر کسی رجعت پسند نے کہا ہے کہ ؎

جس کو راکھے سائیاں اس کو مار سکے نہ کو

میری زندگی تھی۔ اور میں بچ گیا۔ دریا کی لہریں مجھے مُردہ سمجھ کر میرے مردے کو خراب کرنے کے لئے میری بے حس و حرکت لاش کو ساحل کے دوسرے کنارے پر پھینک گئیں جہاں سے مجھے ماہی گیر اُٹھا کر اپنے گاؤں میں لے گئے۔ ماہی گیروں نے میری بڑی خاطر مدارات کی۔ اور میں کچھ دنوں کے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ غریب ماہی گیروں نے میری ہر طرح دل جوئی کی۔ کچھ روز اپنا مہمان رکھا اور پھر ایک دن میرے کہنے پر عمل درآمد کرتے ہوئے مجھے ملتان جانے والی بس میں ٹکٹ دلا کر بیٹھا گئے۔

لاہور کی کشش پھر سے میری زندگی کی طرح تازہ دم ہو گئی تھی۔ اب اخبار نویسوں کے دعوت ناموں کی بجھی بجھی سیاہی پھر سے چمک اُٹھی تھی۔ اور دل لاہور پہنچنے کے لئے مچل رہا تھا۔ لیکن جب ملتان پہنچ کر میں نے اپنے حلیہ شریف پر نظر ڈالی تو یقین مانیئے میں سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ جیسے کسی بھیانک خواب

سے بچہ لرز جاتا ہے۔ دیکھتا کیا ہوں میری کمر کے اردگرد ایک ڈھائی گز کی دھوتی جلوہ فرما ہے۔ اور گلے میں کالے رنگ کا ململ کا خستہ حال کُرتہ رونق افروز ہو رہا ہے میں نے اپنی اس زبوں حالی کو سنبھالا دینے کے لئے ایک دوست کے گھر کی راہ لی۔ دوست کی نیک سیرت بیوی دروازے پر کھڑی اپنی کسی پڑوسن سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنے گھر کے سامنے رُکتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"جا بابا آگے جا۔ ہٹے کٹے ہو۔ بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی صبح ہوتے ہی بھیک مانگنے چلے آئے ہو۔ جاؤ جاؤ اپنا راستہ ناپو"

دوست کی بیوی نے جس طرح میرا آدر ستکار کیا تھا۔ اس کا احترام کرتے ہوئے میں نے اس بھلے مانس کی بچی اور شریف زادے کی بیوی کو اپنی گیدڑ جیسی آنکھوں سے گھورا۔ اور دوست کی دکان کی طرف ہو لیا۔

بازار کھلنے میں ابھی کافی دیر تھی اور میں نے یہی مناسب سمجھا کہ چلو دوست کی دکان کے تھڑے پر ہی بیٹھ کر یار کا انتظار کروں۔ دکان کے تھڑے پر بیٹھ اور لیٹ کر میں نے دو گھنٹے بیس منٹ کے طویل انتظار کا نیا ریکارڈ قائم کیا۔ مگر دوست نے آتے ہی بڑی لاپرواہی سے میری خستہ حالی پر ایک طنزیہ نظر ڈالی۔ اور مجھے تھڑا خالی کرنے کا اشارہ کیا۔ دوست کے اس رویہ پر میرا دل کٹ گیا۔ میں نے روتے ہوئے مرزا غالب مرحوم کا یہ شعر پڑھا۔

بنا کر گداؤں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

اس شعر پر میرا دوست چونک کر داد دیتے ہوئے بولا۔" ارے یار رام مل تم! کہو

ڈھیرے سے کب آئے ؟"

اس سے پیشتر کہ وہ کوئی اور سوال کرتا میں نے اس کے منہ میں ہاتھ دے کر کہا "دیکھو دوست! اب مجھے رام مل کہہ کر گالی مت دینا۔ میری زبوں حالی کا مذاق اڑانا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ تم میرے لنگوٹیئے ہو ــــ لنگوٹیئے.... اور اب تو لوگ بھی مجھے رام مل کی جگہ فقیر کہتے ہیں۔ تم بھی اپنے ہی کھاتے میں میرا یہ نیا نام نوٹ کرلو۔"

"میرا دوست قہقہہ لگا کر بولا۔" آپ کا نیا نام تو آپ کے لباس سے ہی ٹپک رہا ہے۔ مگر میرے یار کتابت چھوڑ کر ملنگ کب سے بنے ہو۔ ذرا اس پر بھی تو کچھ روشنی ڈالو۔"

دوست کے اس بے تکے سے سوال کا میں نے صبر کا گھونٹ بھر کر جواب دیا۔ "ارے احمق! میں ملنگ نہیں شاعر ہوں۔ فقیر میرا تخلص ہے تخلص... آج کل میں شعر بکنے لگا ہوں۔" میرا یہ جملہ سن کر وہ بنئے کا بچہ بالکل ہی سن ہو گیا۔ اور مجھے پاگلوں کی طرح گھورتے ہوئے بولا۔" ارے میرے یار رام مل! یہ فقیر کیا نام ہوا۔ اور یہ تخلص والا معاملہ تو میری سمجھ سے بالکل ہی بالا تر ہے۔ لوگ تو گالیاں بکتے ہیں اور تم شعر بکتے ہو۔ کہ شعر کہتے ہو۔ بھائی میرے۔ کہیں بھنگ ونگ تو نہیں چڑھا آئے۔"

میرا دوست خالص بنئے کی اولاد تھا۔ میں حیران تھا کہ اس گدھے کی دُم کو تخلص اور شاعری کا مفہوم کیسے سمجھاؤں۔ اور پھر سچ بات تو یہ تھی کہ اپنا مطالعہ بھی واہ واہ تک ہی محدود تھا۔ اس لئے جیسے بھی ہوا میں نے اسے آئی گئی میں ٹرخا دیا اور ملتان سے لاہور تک کا کرایہ، زادِ راہ بمعہ ایک عدد پاجامہ اور قمیض کے وصول کیا اور لاہور پہنچ گیا۔"

توند والے فراڈ نے دل کڑا کر کے بھینگے فراڈ کو پیش آنے والی مصیبتوں پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا "یار قسمت کے دھنی ہو۔ جو دریائے سندھ کے جبڑوں سے بچ گئے۔ ورنہ ....."

بھینگے فراڈ نے ایک گرم گرم آہ کھینچی اور بیڑی کا دھواں منہ سے اگلتے ہوئے کہنا شروع کیا "دوست جو بیت گئی سو بیت گئی۔ اب پچھلی مصیبتوں کا ذکر چھوڑو۔ اور میری سرگذشت کو متوازن رفتار سے آگے بڑھنے دو۔"

بھینگے فراڈ نے توند والے فراڈ کی ہمدردی کے جواب میں اتنا کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔

داڑھی والے فراڈ نے برا سا منہ بنا کر توند والے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "توندل جی! بھینگا فراڈ ٹھیک کہتا ہے۔ اگر ہو سکے تو اس کی کہانی کو بڑی خاموشی اور آرام سے اپنا سفر طے کر لینے دو۔"

بھینگے فراڈ نے گنجے فراڈ کو دیکھ کر کہنا شروع کیا "قبلہ نواب صاحب! میرے فن کے لاہوری قدردانوں نے مجھے ہاتھوں پر اُٹھا کر میرا جلوس انارکلی جیسے پُر رونق بازار سے نکالا۔ اور فقر زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اور جب اہل جلوس میرے بوجھ کو سنبھالنے کی سکت کھو بیٹھے تو مجھے ریلوے روڈ کے ایک بک سٹال پر بٹھا کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور میں اس بک اسٹال پر ہی جم گیا۔ بک اسٹال کے مالک صاحب... خود ایک بہت بڑے پبلشر تھے۔ ان کا شمار میرے فن کے سچے عاشقوں میں ہوتا تھا انہوں نے جذبۂ عشق کی لاج رکھتے ہوئے ایک شدھ ادبی ماہنامے کے اجراء کا اعلان اس سرعت سے داغ دیا کہ اعلان پڑھنے

دالے اور سننے والے دونوں ہی ششدر رہ گئے اور مجھے نظر بد سے گھورنے والوں کے دیدے پھوٹ گئے۔ میرے صاحب طرز کاتب ہونے کا گزٹ لاہور کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔ جوق در جوق لوگ میرے درشنوں کے لئے آنے لگے۔ میرا فن کندن کی طرح چمکنے لگا۔ قسم خدا کی! لاہوری گاموں، ماجھوں کی عزت افزائی اور حسنِ سلوک کے لئے میں اب عمر بھر ترستا رہوں گا!

میں نے مکمل تیاری کے بعد اپنا ٹوٹا پھوٹا قلمدان سنبھال لیا۔ اور قلمکاری کے باضابطہ جوہر دکھانے میں جُٹ گیا۔ میری رات دن کی محنت سے ماہنامہ "ادب خفیف" دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ اور ایڈیٹروں کے نام قطب مینار کی بلندیوں پر چڑھتے گئے۔ ایڈیٹروں کی شہرت کی چمک دمک سے آپ کے اس خاکسار منشی فقیؔر کا نام گمنامی کے اندھیروں میں پھسلتا گیا۔ مطلب یہ کہ آپ کے فقیؔر صاحب کاتب کے کاتب بنے ہوئے کتابت کے تختے سے چمٹے رہے مگر ایڈیٹروں کی اس دن بہ دن بڑھتی ہوئی شہرت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور میں ایڈیٹروں سے حسد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میری اس حسد نے غریب ایڈیٹروں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کھڑی کر دیں۔ اور ماہنامہ کے جنم داتا کا دل اپنی مٹھی میں کر لیا اور خود کاتب سے ایڈیٹر بن گیا۔ ایڈیٹر بن کر میں نے تمام نامور ادیبوں کو چاپلوسی اور مسکہ بازی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور اس طرح ان سے اپنی قابلیت کی شہادت میں دو چار نہیں سینکڑوں تحریریں حاصل کر لیں۔

جریدہ کا نیک دل بوڑھا مالک مجھ پر ناز اُٹھانے لگا۔ اور میں لمحہ بہ لمحہ پھیلنے لگا۔ کیونکہ میری گیدڑ جیسی چالاک اور زمانہ ساز آنکھوں نے باریک بینی

اور نقطہ سنجی کے تمام باریک نقطے دیکھ اور سمجھ لئے تھے۔ لہٰذا موقع محل نکال کر ایک دن میں نے اپنے بذلہ سنج اور نقطہ فہم طنز نگار ہونے کا اعلان ایک سند یافتہ منادی گر کو اُجرت دے کر لاہور کے گلی کوچوں میں کروا دیا۔"

داڑھی والے فراڈ نے بھینگے فراڈ کے بیان کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے کہا "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کی ایڈیٹری کو دن کو بھی تارے نظر آنے لگے۔"

"جی ہاں۔ اگر آپ کو کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہوتی ہو تو آپ ایسا ہی سمجھ لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں" بھینگا فراڈ داڑھی والے فراڈ کی بات کا جواب دے کر اپنی سرگذشت کی طرف مُنہ پھیر کر کہنے لگا۔

"مگر یارو! یہ ایڈیٹری کا کام بڑے دل گردے کا کام ہے اور پھر میں تو بہ یک وقت ایڈیٹر بھی تھا اور کاتب بھی۔ شاعر بھی تھا اور طنز نگار بھی۔ میری شاعری اور میری طنز نگاری کو ہندوستان گیر شہرت کا شرف حاصل ہے۔ میں نے بڑے بڑے "لائی ٹمینوں" کو اپنی طنز کے ٹوٹے ہوئے نشتروں سے فنا کر دیا ہے۔ اور میری قوتِ شاعری نے مونگ پھلی چبا چبا کر بڑے بڑے بادام کھانے والے پھانے خان پہلوانوں کے حُلیئے بگاڑ دیئے ہیں۔ قریب قریب آدھی درجن کتابوں کا اکلوتا مصنّف ہونے کا فخر بھی آپ کے اس خاکسار کو حاصل ہے۔ گو کتابیں لکھ کر میں نے کمایا کچھ نہیں۔ لیکن ان کتابوں کے بل بوتے پر بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہونہار شہزادوں کے بٹوے میں نے اکثر خالی کروا دئے ہیں۔"

داڑھی والے فراڈ نے پیتل کی مریل سی فریم والی عینک کو ناک کی نوک پر جما کر بھینگے فراڈ کی چُندھی چُندھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "بھینگے یار، تم تو

چھپے رستم نکلے۔ آدھی درجن کتابیں تصنیف کر ڈالیں اور یار لوگوں کو خبر تک نہ ہونے دی۔"

بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چُپ چاپ اپنی کرسی پر جما ہوا دور افق کی نیلی گہرائیوں کو گھورتا رہا۔ بھینگے فراڈ کے اس غیر معمولی تغیر پر سب فراڈ سٹپٹا اُٹھے۔

توند والے فراڈ نے ساتھ والی ٹیبل سے ایک اجنبی گاہک کے سامنے سے گرم گرم چائے کا لبریز پیالہ اُٹھا کر بھینگے فراڈ کے ہونٹوں سے لگا دیا جس سے بھینگا فراڈ ہڑبڑا کر ہوش میں آتے ہوئے بولا۔

"دوستو! کیا بات ہے مجھے خواہ مخواہ کے لئے پریشان کیوں کر رہے ہو؟ میری کہانی کا دلچسپ حصّہ تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اب میرے پاس کوئی خوبصورت بات نہیں بچی۔ یا یوں سمجھ لو کہ اب میرے ترکش کے سبھی تیر ختم ہو چکے ہیں"۔

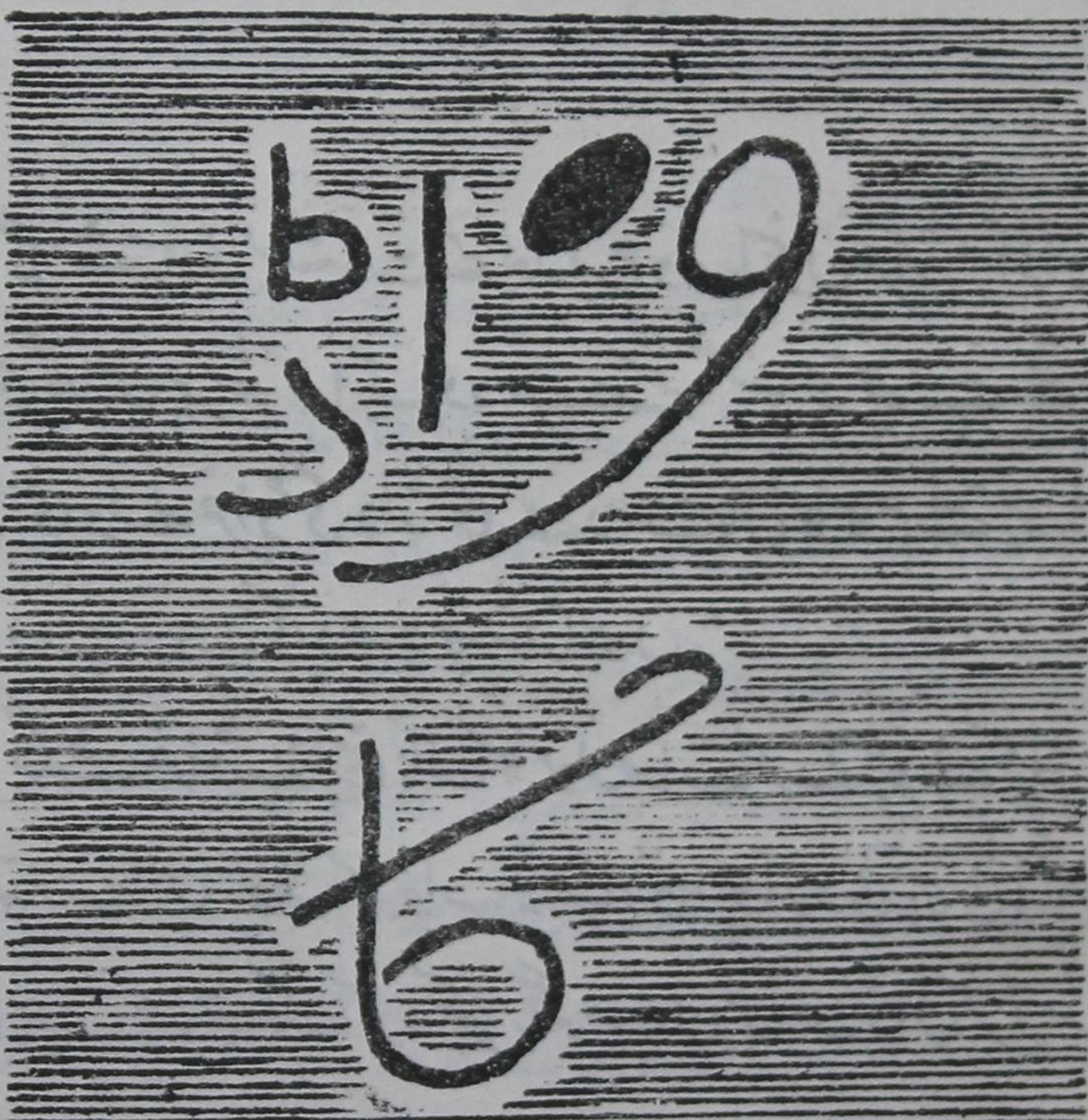
لنگڑے فراڈ نے بھینگے فراڈ سے درخواست کرتے ہوئے پوچھا۔

"برادرم! تم آج کل کیا کر رہے ہو؟ یعنی تمہارا شغل کیا ہے؟"

"میرے ہم پیشہ لوگو! میں آج کل ہر صاحبِ رائے اور صاحبِ نام کو اپنے طنزیہ پھکڑپن سے مجروح کرتا ہوں۔ اور ان کی سادہ لوحی کو جُل دے کر اُن سے چائے پیتا ہوں۔ پکوڑے کھاتا ہوں۔ سگریٹ مارتا ہوں۔ وسکی چڑھاتا ہوں اور پھر تماش بینی کرتا ہوں۔ اچھے اچھوں کو چپنے لگانا میرے دائیں ہاتھ کا کام ہے۔ اس لئے آپ اپنا آپ سنبھال کر رکھیں کیونکہ میرا فن اپنے پرائے کسی کو معاف نہیں کرتا۔ اگر ہو سکے تو اب مجھے لاہوری

گاموں، ماجھوں کی یادیں دو چار لسٹوں سے بہا لینے دو ـــــ اور بس ـــــ بس یہی رہنے دو ـــــ!"

قصہ پانچویں



گذشتہ ادبی نشست کے بعد آج وہ پانچوں فراڈ "آزاد پارک" کی ہری ہری گھاس پر بیٹھ کر ایک دوسرے کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے دست مال کا کام لیتے ہوئے کہا۔" کیا میں آپ لوگوں سے رونے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

لنگڑے فراڈ نے اپنی ناک کا مواد صاف کرتے ہوئے کہا" میرے بھینگے فراڈ! تمہارے اس سوال کا جواب تو تمہاری اپنی روتی ہوئی آنکھیں بھی دے سکتی ہیں۔ ذرا جیب میں جھانک کر دیکھو یا گریبان میں منہ ڈال کر آئینہ پر ایک نظر ڈال لو۔"

بھینگے فراڈ نے اپنی بٹن جیسی آنکھوں سے لنگڑے فراڈ کے گرد سے اٹے ہوئے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا۔" بھائیو! میں تو آپ سب کو روتا ہوا دیکھ کر رونے

لگا ہوں۔ ورنہ میں عورتوں کی طرح بات بات پر رونے کا قائل نہیں۔"

گنجے فراڈ نے بھینگے فراڈ کی بات پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے آنسو مگرمچھ کے آنسو ہیں۔"

توند والے فراڈ نے گنجے فراڈ کی بات کو لفٹ دیتے ہوئے کہا۔ "حضور! آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ میں نے آج تک اِن گیدڑ جیسی آنکھوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا حالانکہ ان آنکھوں کو دیکھتے دیکھتے میری زندگی کے کئی سال ماضی کے اندھے غار میں لڑھک گئے ہیں۔ اور میری توند کا گھیرا..... کیا کہوں، کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

گنجے فراڈ نے بھینگے فراڈ کو معنی خیز نظروں سے تاڑتے ہوئے کہا۔ "عزیزم یہ مگرمچھ کے آنسو داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے پونچھ ڈالو۔ تمہارے لئے میرا یہی معقول مشورہ ہے۔ ؎

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

آج کی ملاقات کے یہ سہانے لمحات، یہ ہری ہری گھاس اور وہ سامنے منڈھے کی دیوار پر گگو کی نیم عریاں تصویر دیکھ کر میری طبیعت بے اختیار ہوتی جا رہی ہے"

داڑھی والے فراڈ نے گنجے فراڈ کے موڈ کے تیور بھانپتے ہوئے کہا "میرے خیال میں تو آج کا پروگرام جنابِ توندل کی پھولی ہوئی داستان کے لئے ہی وقف کیا جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ اپنی تصویر کا آخری پیچ یوں ہی رہ جائیگا پھر خدا جانے یہ فرصت کی گھڑیاں میسّر آئیں کہ نہ آئیں۔ اور اپنی چنڈال چوکڑی اس طرح جمنے پائے کہ نہ پائے۔ لہذا آج توندل فراڈ کی کہانی سے اپنی فراڈوں بھری کہانی کا فنشنگ ٹچ ہو جانے دو۔"

لنگڑے فراڈ نے اپنی پلاسٹک کی ٹانگ کو ہری ہری گھاس پر پسارتے ہوئے کہا "سائیں بابا۔ آپ کی تجویز قابل قبول ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے"

بھینگے فراڈ نے اپنی چُندھی آنکھوں کو نچا کر توند والے فراڈ کی توند پر تھپکی لگاتے ہوئے کہا: "آیئے حضرت آیئے بیچ اکھاڑے کے۔ ہو جائیں دو دو ہاتھ"

توند والے فراڈ نے اپنی کپّا سی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بھائیو! کیا چمڑی کیا چمڑی کا شوربہ کے مصداق کیا میں اور کیا میری داستانِ حیات میری پھولی ہوئی توند پر نہ جاؤ۔ اس میں کوئی بھی گہرا بھید چھپا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ تو محض ہوا سے پھولی ہوئی ہے"

لنگڑے فراڈ نے توند والے فراڈ کی بات کا تعاقب کرتے ہوئے کہا "ابے یار! خواہ مخواہ کا تکلف کیوں کر رہے ہو؟ تمہاری توند تمہاری توند ہے، کوئی ڈنلپ کا ٹائر نہیں۔ بنتے کیوں ہو، اپنی پھولی ہوئی توند میں بھرے ہوئے رنگ برنگے فراڈ اب اُگل بھی دو"

توند والے فراڈ نے لمبی سی آہ بھر کر کہنا شروع کیا "دوستو! میری پیدائش متوسّط طبقہ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں ہوئی۔ لیکن میری بُری عادتوں نے مجھے اپنے آبائی گھرانے میں ٹکنے نہ دیا۔ چھوٹی سی عمر میں ہی میں نے پان بیڑی سگریٹ کا شوق اپنا لیا تھا۔ باوجود اس کے میرے گھر والوں کے مذہبی عقیدوں کے مطابق مجھے اس شوق سے سخت قسم کا پرہیز کرنا لازمی تھا۔ لیکن چونکہ میں فطرتاً باغی پیدا ہوا ہوں۔ اس لئے میں نے مذہب کی ان روایتی پابندیوں کی دفعہ ۱۴۴ کو توڑ ڈالا۔ اور کھلم کھلا اپنے شوق کی تکمیل میں جُٹ گیا۔ ماں باپ، بہن بھائی کنبہ قبیلہ چھوڑ چھاڑ

کر سر منہ صاف کرا لیا۔ رفتہ رفتہ سگریٹ، پان، بیڑی کے شوق نے پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے اور دوسرے تمام دنیا کے عیب میرے عیبوں کی چادر میں آ چھپے غرضکہ آپ کا یہ پہلوان فراڈ سگریٹ، چرس، گانجا، بھنگ، افیم اور شراب یعنی کہ ہر قسم کے منشیات استعمال کرنے میں منہمک ہو گیا۔"

گنجے فراڈ نے توند والے فراڈ کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "مگر اتنے سارے عیب کرنے کے لئے تمہارے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آتا تھا؟"

توند والے فراڈ نے گنجے فراڈ کی جانب اپنی فٹ بال نما توند کو موڑتے ہوئے جواب دیا۔ "قبلہ نواب صاحب! جالندھر کے تمام ملنگ اپنے یار تھے اور قلندروں کے تمام تکیوں پر اپنا آنا جانا تھا۔ جہاں تمام دن بھنگ کے رگڑے لگتے اور سُلفی کی لاٹ اُٹھتی رہتی۔ ہائے کیا دن تھے وہ بھی۔ اب تو صرف ان دنوں کی یاد ہی یاد باقی ہے لیکن میری ان حرکتوں نے میرے والد محترم کی صحت پر بہت ہی بُرا اثر ڈالا۔ اُن کا نام میرے کارناموں سے کچھ اس طرح روشن ہو گیا کہ گلی محلے میں جس کا مے گھسیٹے کو دیکھو اس کی زبان پر یہ رٹا رٹایا فقرہ تڑپ رہا ہے "سردار صاحب کا لڑکا بی اے کرتے ہی ایک دم آوارہ ہو گیا ہے۔ شریف باپ کی بے داغ عزت کو چار چاند لگا رہا ہے۔ بھگوان ایسی اولاد کسی دشمن کو بھی نہ دے۔" غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن ان باتوں کا اثر میرے والد صاحب پر میرے حق میں کچھ اچھا ہی پڑا۔ اور وہ گلی محلے والوں کی باتوں سے تنگ آ کر مجھ سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انکی اس کمزوری سے شہ پا کر میں نے اپنا فیل آگے بڑھا دیا اور شطرنج کی بازی میرے حق میں پلٹ گئی۔ اب مجھے باقاعدہ جیب خرچ ملنے لگا۔ اور میں نے ملنگوں اور قلندروں کے

تکیوں کی صحبت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن بار اور ہوٹلوں کے دروازے میرے لئے کھل گئے۔ اور آپ سب کا یہ مرید اپنے بورژوا باپ کی کمائی سے سعادتمند پرو لتاری بیٹے کی طرح خوب گلچھرے اُڑانے لگا۔"

لنگڑے فراڈ نے حسد بھری نگاہوں سے توند والے فراڈ کو گھورتے ہوئے کہا "میرے توندل بھائی! آخر تمہاری قسمت یاوری کر گئی۔"

توند والے فراڈ نے بے دلی سے مسکراتے ہوئے لنگڑے فراڈ کی جانب دیکھ کر جواب دیا۔ "بے شک میں نصیبے کا دھنی ہوں۔ بی۔اے کرنے کے بعد میں نے آج تک کوئی کام دھندا نہیں کیا سوائے نت نئے فراڈوں کے، مگر اس پر بھی میری زندگی پورے رئیسانہ ٹھاٹ سے وقت کی چھاتی پر روندتا رہی ہے اور یہ سب میری فراڈانہ صلاحیتوں کا فیض ہے۔"

"بے شک بے شک!" داڑھی والے فراڈ نے توند والے فراڈ کی توند پر تھپکی لگا کر کہا۔ "بھیا یہ دَور ہی ہم جیسے فراڈوں کا ہے۔ سادہ لوح بندے تو آج کی منڈی میں ٹکے سیر کے حساب سے تُل کر بِکتے ہیں پھر بھی اُن کو مارکیٹ میں کوئی نہیں پوچھتا۔"

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی خشک داڑھی کو چوم کر کہا۔ "بزرگوارم آج بڑے موڈ میں آ کر چہک رہے ہو۔ خیریت تو ہے؟"

گنجے فراڈ نے اپنی غلافی آنکھوں کے لال لال ڈورے نکال کر کہا! او لنگڑے آخر یہ سب کیا بدتمیزی ہے۔ توندل بھائی کی کہانی کو کیوں خراب کر رہے ہو۔ سیدھے ہو جاؤ۔ ورنہ تمہاری دوسری ٹانگ بھی ٹیڑھی ہو جائے گی!"

گنجے فراڈ کی لال لال آنکھیں دیکھتے ہی لنگڑے فراڈ کی نانی مر گئی۔ اور اُس

نے ایک دم مون برت دھارن کر لیا۔ توند والے فراڈ نے اپنی کہانی کا سلسلہ شروع کیا۔
"دوستو! سنو میری گڈی خوب چڑھی ہوئی تھی اور میں پیچ لڑانے کے پورے موڈ میں آیا ہوا تھا۔ لیکن خدا معلوم میرے اس شبابی موڈ کا سراغ میرے ایک رجعت پسند دوست نے کیسے لگا لیا اور نہ جانے وہ کہاں سے مانجھا سوت کر لئے آیا۔ بس پھر کیا تھا میری گڈی کا "وہ کاٹا، وہ کاٹا" ہو گیا"۔

داڑھی والے فراڈ نے توند والے فراڈ کی بات کاٹ کر کہا۔ "برخوردار! یہ کون سی بھاشا بول رہے ہو؟ اپنی سمجھ میں تو خاک نہیں آیا"؟

توند والے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی کھردری داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "جناب داڑھی میجر صاحب! یہ بھاشا آپ کی سمجھ میں آنے والی نہیں۔ کیونکہ آپ اپنی عمر کا وہ حصہ بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اور میں آپ کی دعا سے آپ کے حفیظ جالندھری کے قول کے مطابق "ابھی تو میں جوان ہوں" کے نغمے الاپ رہا ہوں۔ میری جوانی برساتی نالے کی طرح پورے جوبن پر ہے۔ مطلب یہ کہ ان دنوں جوانی کے نالے کا بہاؤ بڑی شدت پر تھا۔ اور میں اس بہاؤ کی تندی کو کم کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ میں اپنے پلان کو عملی صورت دینے کی فکر میں ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ مگر میری اس حالت غیر کا پتہ میرے ایک رجعت پسند دوست کو چل گیا۔ اور ایک دن اس ظالم نے مجھے "کیپٹل بار" میں پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "یار مست! ہم بھی تو تمہارے چاہنے والوں میں سے ہیں۔ پھر ہم سے یہ پردہ داری کیوں؟" میں نے سوچا آخر دوست ہی تو ہے پھر دل کا چور چھپانے سے کیا حاصل؟ بس میں نے اتنا سوچ کر اس شیطان کے بچے سے صاف صاف کہہ دیا۔ "اے برادرِ عزیز! اگر تمہیں اس پہلوانِ ادب کی زندگی

مطلوب ہے تو فوراً میرے شباب کے منہ زور گھوڑے کے منہ میں لگام دو۔ ورنہ یہ سرکش گھوڑا میری ہڈی ہڈی کا کچومر نکال کر میرا میدہ بنا ڈالے گا۔ اور تم سب لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ جاؤ گے۔ اگر میری کچھ مدد کر سکتے ہو تو فوراً کرو" اس نے میرا لب لباب سمجھ کر بڑی لمبی چوڑی ٹھنڈی آہ بھری۔ اور میرے منہ کی طرف اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر بولا "یار مست۔ معاملہ کافی سنجیدہ ہے لیکن میرے ہوتے ہوئے تم کوئی غم نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا" رجعت پسند دوست کی ہمدردی نے مجھے سکاچ کا آرڈر دینے پر مجبور کر دیا۔۔ سکاچ کا دور شروع ہو گیا۔ چار پیگ پینے کے بعد میرے دوست کے سینے میں سوئی ہوئی تمام ہمدردی ایکدم انگڑائی لے کر جاگ اٹھی۔ اور وہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولا "یار مست! تم تو شاعر ہو اور شاعر کی بیاض ہر وقت شاعر کے پاس ہوتی ہے۔ اگر تمہاری بیاض بھی اس وقت تمہارے پاس ہو تو فوراً نکال لو" بس صاحب میں نے اپنی جیب سے ایک ضخیم بیاض نکال لی۔ میرے ہاتھوں میں بیاض دیکھ کر وہ اپنا قلم مجھے تھما کر بولا "لکھو میرے بھائی لکھو۔ میں جو کچھ لکھواؤں وہ لکھو۔ دیکھنا ذرا صاف صاف لکھنا" اس کے اس حکم کی تعمیل میں اس کا قلم میری بیاض کے صفحوں پر سرپٹ دوڑنے لگا۔ اس نے شہر کی تمام کٹنیوں کے نام اور پتے مجھے لکھوا دیئے۔ اور شہر کے تمام خفیہ اڈوں کے راستے مجھے عالم سرمستی میں بتا دیئے۔ میں اس کی جنرل نالج سے اس قدر متاثر ہوا کہ کیا بتاؤں۔ جام پہ جام چڑھا کہ جب ہم دونوں تھک گئے۔ تو بار سے باہر نکل آئے۔ میرا یار بھی میری طرح سخت نشے میں تھا۔ وہ اپنی لڑکھڑاتی ہوئی نشیلی بھاشا میں بولا "اچھا یار جی اب ہم چلے" اور وہ اتنا کہہ کر چلتا بنا۔

اور میں بوجھل بوجھل قدموں سے خفیہ اڈوں اور کینٹینوں کی تلاش میں نکل پڑا۔
میرے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے اور میں سکاچ کے نشے میں ڈوبا ہوا سر سے پاؤں تک مخمور ہو رہا تھا۔ آخر گرتے پڑتے میں نے ایک ٹھکانہ تلاش کر ہی لیا۔ قصہ یوں ہوا کہ ایک صحن کو گلی سے محفوظ کرنے والی چار فٹی دیوار میرے چھ فٹے قد کے سامنے سے آپ ہی آپ سرک گئی۔ اور میں دیوار پھاند کر صحن میں کود گیا۔ اب صحن میں پہنچ کر دیکھتا کیا ہوں کہ صحن کے ایک کونے میں چولہا جل رہا ہے اور ایک بھاری بھرکم یعنی میرے ہی سائز کی عورت روٹیاں سینک رہی ہے۔ گرم گرم روٹیاں دیکھ کر میری بھوک اور بھی چمک اٹھی۔ اور میں چپ چاپ روٹیوں کی پرات کی طرف بڑھ گیا۔ مگر صاحب! اس بھاری بھرکم عورت کو اندھیرے میں نہ جانے کیا سوجھا کہ لگی چور چور کا شور مچانے۔ اس کا واویلا سن کر اڑوس پڑوس کے سبھی بیکار اور آوارہ مزاج چھوکرے مجھے گھیر کر اس کے صحن میں اکٹھے ہو گئے۔ میں نے ان چور کے بچوں کو لاکھ سمجھایا کہ شریف زادو! میں کوئی چور ڈاکو یا لفنگا نہیں۔ میں کوئی بدمعاش یا اچکا نہیں۔ میں ایک شریف بھوکا ہوں۔ گرم گرم روٹیوں کی بھینی بھینی خوشبو نے مجھے اس صحن میں آنے کی دعوت دی تھی۔ میں ایک شریف خریدار ہوں نقد دام دے کر روٹیاں لوں گا۔ ہجوم میری ان اوٹ پٹانگ باتوں سے اور بھی بپھر گیا۔ اور قانون شکنی کرتے ہوئے میری مار پٹائی پر اتر آیا۔ اب مجھے وہ بے بھاؤ کی پڑنے لگی کہ 'اللہ دے اور بندہ لے' والا معاملہ بن گیا۔ میں نے اپنی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پاؤں تو بڑے مارے مگر بے سود! ایک دو ہوتے تو میں ان سے نپٹ لیتا۔ مگر صاحب وہاں ایک دو کا ذکر ہی کیا دنیا بھر کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ سچ مانئے پنڈت نہرو کا بھاشن سننے کے لئے بھی کبھی اتنے لوگ جمع نہ ہوئے ہوں گے۔ ایک اچھے

خاصے ہجوم کے سامنے میری بے عزتی ہو رہی تھی۔ اور میں دل ہی دل میں اپنے رجعت پسند دوست کو گالیاں دے رہا تھا۔ "سالانہ ملتانہ یہ حشر ہوتا۔ خدا غارت کرے" اُس بدمعاش کے خلاف یہ دعا میرے دل سے سر اُٹھا رہی تھی کہ وہ مردود بھی وہیں آ پہنچا۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی اور میں اسے رحم بھری نگاہوں سے تکنے لگا مگر ہیکار۔ اس اُلّو کے چرخے کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پہ کھلتی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھ کر میرا کلیجہ ہی کٹ گیا اور میں ترقی پسند نظریئے کے تحت اپنے رجعت پسند دوست کی اس حرکت پہ غور و خوض کرنے لگا۔ اس غور و خوض کے جوں جوں مراحل طے ہوتے گئے میرے ہاتھ پیروں کے طوطے اُڑتے گئے اور میرے دل کی مینا دم توڑتی گئی۔ اور بالآخر میری سوچ اس نتیجے پہ پہنچ کر رُک گئی کہ یہ سبھی رجعت پسند گولی مار دینے کے قابل ہیں۔ اور اگر ان کو گولی کا نشانہ نہ بنایا گیا تو یہ ہم ترقی پسندوں کا دلیا ہی بنا ڈالیں گے۔ لہٰذا میں نے فوراً اپنی پارٹی کو اس فیصلے سے آگاہ کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا۔

ہجوم مجھے گالیاں دے رہا تھا۔ طرح طرح کے شریفانہ القابوں سے نواز رہا تھا اور میں ٹکر ٹکر اپنے رجعت پسند دوست کو پیار بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کم بخت سکاچ کی لاج ضرور رکھے گا۔ مگر صاحب سکاچ کی لاج کیسی۔ وہ سکاچ نوش تو سکاچ حرام نکلا۔ اور لگا لوگوں کو بھڑکانے، کہ "اس مسٹنڈے کو فوراً تھانے لے چلو یہ کوئی خاندانی جرائم پیشہ معلوم ہوتا ہے۔ دیدہ کا دیو، اکیلی عورت کو دیکھ کر گھر میں گھس آیا۔ سالے کا سوٹ دیکھو اور کرتوت دیکھو۔" اس حرام کے ... کی تقریر سُن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اور ہجوم کا غصہ دوبالا ہو گیا۔ تھانے میں بند ہونے سے زیادہ مجھے اپنے جیب خرچ کے بند ہونے کا ڈر تھا۔ عزت وزت ایک معمولی سی چیز ہے ہم ترقی پسندوں کے لئے

اور پھر اس معمولی سے حادثے سے میری عزت کا بگڑنا بھی کیا تھا۔ اور پھر اگر بگڑنے کا اندیشہ بھی تھا تو صرف ایک فیصدی جو کہ نہ بگڑنے کے برابر تھا۔"

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے توند والے فراڈ کا پسینہ پونچھ کر کہا۔ "میرے یار! عزت، عزت سالی تو بازار سے اور بھی مل سکتی ہے۔ اچھا کیا جو تو نے اس بدبخت کا خیال ہی نہیں کیا۔ ورنہ ننھے بال سی توند کب کی پچک گئی ہوتی۔"

"تو ہاں صاحب اس رجعت پسند دوست کی مہربانی سے لوگ مجھے حوالات میں بند کروا کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ مگر جب اس حادثے کی اطلاع والد صاحب کو ملی تو وہ بھاڑے کا ٹانگہ لے کر تھانے میں آ دھمکے۔ اور مجھے کسی نہ کسی طرح کوتوال صاحب کی مٹھی گرم کر کے تھانے سے اغواء کر کے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔

گھر پہنچتے ہی انہوں نے اپنی کلف لگی سفید پگڑی میرے قدموں پر ڈال کر کہا "میرے سعادت مند بیٹے! تو پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گیا۔ کم بخت تیرا ستیاناس ہو۔ تو نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔ تجھ جیسی اولاد سے تو میں بے اولاد ہی رہتا تو اچھا تھا۔ اگر تجھ میں رتی بھر بھی غیرت ہے تو چلو بھر پانی میں ڈوب مر!"

میں نے ٹھنڈے دل سے ان کی بات کاٹ کر جواب دیا۔ "دار جی! اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو میں آج ہی ریل کے انجن کے نیچے سر رکھ کر اپنا "رام نام ست" کر لیتا ہوں۔ مجھے اطمینان سے جانے دیں اور مزید کوئی جلا کٹا فقرہ مجھ پر چسپاں نہ کریں۔ بس یہی میری آخری خواہش ہے۔"

میرا تیر ٹھیک نشانے پر لگا اور دار جی چیخ کر بولے۔ "جا سالے جا، میری طرف سے کل کا مرتا آج مر، ابھی اور اسی وقت مر میری جوتی سے۔ تیری پڑھائی لکھائی پر جو روپیہ

لگا یا ہے سمجھ لوں گا کہ ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہیں۔ جا اسی وقت میری نظروں سے دور ہو جا۔ میں تیری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔"

سو حضرات میں اسی وقت جوتے بغل میں دبا کر گھر سے نکل بھاگا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر میں نے انجن کے نیچے آنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر خدا معلوم میں انجن کے نیچے آنے کی بجائے ریل کے ڈبے میں کیسے بیٹھ گیا۔ شاید آپ لوگوں تک پہنچنا تھا۔ شاید ابھی میری زندگی نے ابھی کچھ اور معرکے مارنے تھے۔ شاید ...."

گنجے فراڈ نے توند والے فراڈ کو بد دعا دیتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہیں عمر خضری عطا کرے اور تم اپنے باپ دادا کا نام حسب معمول روشن کرتے پھرو۔"

داڑھی والے فراڈ نے گنجے فراڈ کو حاسدانہ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ نے تو اپنا حقِ بزرگی ادا کر دیا۔ اب ہم کیا کریں۔"

بھینگے فراڈ نے سائیں بابا کی داڑھی کھینچ کر کہا۔ "یار تم بڑے نقلچی بند رہو۔ خواہ مخواہ نواب صاحب کی جامہ تلاشی لے رہے ہو۔ اگر کچھ جیب میں ہو تو ہری ہری چادر پر پھینک دو۔ نہیں تو چپ رہو۔ چپ بالکل چُپ!"

توند والے فراڈ نے پہلو بدل کر بولنا شروع کیا۔ "بھائیو! دو چار سال آوارہ گردی کرنے اور فاقوں مرنے کے بعد میرا دل گھر کی یاد میں اُداس اُداس اور کھویا کھویا سا رہنے لگا۔ یار لوگوں نے بہتیرا پوچھا 'یار مست! آج کل کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہو۔ معاملہ کیا ہے؟' اب آپ ہی بتائیں۔ میں ان احمقوں کے اس سوال کا کیا جواب دیتا۔ ان سے کیا کہتا کہ آج کل مجھے ماں کے پراٹھے اور دارجی کی کلف لگی پگڑی کی یاد ستا رہی ہے۔ آخر ایک دن میں تمام دوستوں کی جیبوں پر ہاتھ صاف کر کے

نو دو گیارہ ہوگیا۔ یعنی کہ میں بمبئی سے جالندھر پہنچ گیا۔ ماں کے پیار اور باپ کی شفقت نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اب مجھے کچھ ہوش آگیا ہوگا۔ مگر یہاں تو ہوش گیا ہوتا تو آتا۔ لیکن وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے۔

اب میں نے اپنے چال چلن کا ظاہری رنگ روپ کافی بدل لیا تھا۔ باطن تو وہی تھا۔ خیر باطن کی چھوڑیئے اور آگے سنئے۔ آپ کا یہ خاکسار بمبئی میں رہ کر فنِ چمچہ گیری میں بڑا طاق ہوگیا تھا۔ اور میری اس چمچہ گیری نے میرے فن کو دنوں میں نہیں تو ہفتوں میں جالندھر گیر شہرت کا مالک بنا دیا۔ جب میری شہرت کی بھینی بھینی خوشبو سارے شہر میں پھیل گئی تو مجھے جالندھر کے ریلوے اسٹیشن سے باقاعدہ پروگرام ملنے لگے۔ اور میں باقاعدہ اسٹیشن جانے لگا لیکن میری اس سیمابی فطرت نے مجھے اسٹیشن میں بھی چین سے نہ ٹکنے دیا۔

ہوا یہ کہ مجھے ہڑتال کرا کے اپنی لیڈری چمکانے کی سوجھی۔ اور جب کسی آدمی کا نام چمک جاتا ہے تو وہ اپنی لیڈری کو چمکانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے اور میں اس فطری عمل پر عمل درآمد کرنے میں لگ گیا۔ میرے سامنے اسٹیشن پر ایک دم ہڑتال کرانے کا پروگرام تھا۔ اور میرے جان نثار ساتھی اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں رات دن ایک کئے ہوئے تھے۔ میرے بہت سے ساتھیوں میں ایک رجعت پسند شاعر کا نیم ترقی پسند شاعر لڑکا بھی تھا۔ دیکھنے میں بڑا بھولا بھولا اور سیدھا سادہ اس کا نام کچھ راجکماروں جیسا تھا۔ مگر اس کا تخلص مجھے یاد نہیں کہ کیا تھا۔ مگر کچھ تھا ضرور۔ اس سالے کے دل میں خدا جانے کیا آئی کہ اس نے عین وقت پر ہماری سازشوں کا بھانڈا اریل بازار کے چوراہے پر پھوڑ دیا۔ پولیس ہماری تلاش میں مصروف ہوگئی۔ اور ہم سب جالندھر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اب میں آپ کے سامنے ہوں۔ قد و قامت اور جسم کے اعتبار سے میں وہی جالندھر والا ہوں۔ مگر اب آپ کی دہلی نے مجھے اپنے دریا دل میں سمو لیا ہے۔ اب میرے پیٹ کی طرح میری جیب پر بھی موٹاپا چھا رہا ہے۔ اور باقی سب آپ کی دعا ہے ـــــ ٹاٹا ـــــ بائی بائی ـــــ چیریو۔"
